

توحید

از افادات

ترجمان سنت (حضرت) صاحبزادہ محمد عمر بیربلوی رحمۃ اللہ علیہ

4112

Marfat.com

Marfat.com

ذخیرہ
4112



توحید

Marfat.com

Marfat.com

صاحبزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری نقشبندی مجددی
ذخیرہ
لاہور پاکستان
4112

توحید

عقیدۂ توحید کا صحیح اسلامی تصوّر، مغالطہ آمیزیوں اور غلط فہمیوں کا
ازالہ، شائستہ اور شستہ اسلوب میں لکھی گئی بصیرت افروز تحریر،

○

از افادات

ترجمانِ حقیقت (حضرت) صاحبزادہ محمد عمر بیربلوی رحمۃ اللہ علیہ

○

تدوینِ جدید

پروفیسر ڈاکٹر محمد طفیل سالک
صدر شعبۂ فلسفہ گورنمنٹ کالج - لاہور

Marfat.com

B7389

جملہ حقوق محفوظ

زیر اہتمام:

محمد رضاء الدین صدیقی
نجابت علی تارڑ

زاویہ

۸-سی دربار مارکیٹ، لاہور
۷۱۱۳۵۵۳

۲۰۰۰ء

بار اوّل ——— ایک ہزار
ہدیہ ——— = ۸۰ روپے

مرکز ترسیل

مکتبۂ زاویہ
۹- مرکز اولایس، دربار مارکیٹ، لاہور
۷۳۲۴۹۴۸

ناشر
صاحبزادہ خالد سیف اللہ صاحب
"ادارہ تصوف" پیر بل شریف تحصیل شاہ پور ضلع سرگودھا

Marfat.com

فہرست

صاحب تصنیف	9	تصرف کلی	45
نقش اول	12	جلوہ آرائیاں	50
گفتنی	21	روشن مشاہدے	53
توحید	23	بے مثل وبے مثال	56
توحید	27	تصور توحید باعث عظمت	60
وحدت کے فیوض ر خدائی نشر یے	32	معرفت کا حصول	62
دنیائے علم کا الحاد سے رجوع	35	حضرت نوح اور معرفت الٰہی	65
مغالطہ کی وجہ	36	حضرت ھود اور معرفت الٰہی	67
فلاسفہ کی تنگ نظر ی	37	مشاہدہ باعث یقین	68
ظہور حق	38	حضرت موسیٰ اور معرفت الٰہی	69
کیا مادہ کائنات کی روح ہے	39	حضرت ابراہیم اور معرفت الٰہی	72
معرفت خاصہ	40	صفات کی آوٹ میں ذات کا جلوہ	73
فلاسفہ کی بے تکی بات	41	عبودیت و معبودیت کے جذبے	74
معرفت تامہ	42	ملکوت کا مفہوم	75
وجود باری تعالیٰ کے دلائل	43	جذبہ عبودیت انسانی فطرت	78
خطاب دلپذ یر	44	میں موجود ہے	

Marfat.com

موحد بے خوف ہوتا ہے 79

ہر آن اک نیا جلوہ 82

توحید بحیثیت ظہور کی اقسام 84

توحید قلبی کے عکس 85

عقلی توحید

عقلی توحید کے عکس 86

توحید بحیثیت ظہور 87

توحیدی مقام

ایک بے جان کے ذریعے ہدایت 88

حرم پاک کا اک نظارہ 89

حرم پاک میں نبی کریم ﷺ 95

کی واز فتگی کا عالم

خیال اپنا اپنا 96

قبر پرستی 98

مکاں کا شرف مکیں سے

محبت کے آثار 99

نسبت کا اثر 102

تعظیم کیا ہوتی ہے 103

خیر و شر کا تلازم 106

اسلامی توحید کا بلند مقام 109

شان ربوبیت 110

خیر و شر کا تلازم 111

زندگی کیا ہے 112

بقاو فنا نعمت ہے 115

اصلی موحد یا اولیاء اللہ

توضیحی تمثیلات 123

صوفیت اور مولویت میں جنگ 130

وحدت ادیان 135

قوت الٰہیہ 139

حواشی 147

حال و قال 149

وصال خدا در وصال نام خدا 150

علمی توحید 152

حالی توحید 153

فطرتی توحید

موعدین کی اقسام 154

توحید قالی و توحید حالی کی تاثیرات 155

مراتب اور مدارج کا فرق 156

توحید حالی کے اثرات 157

توحید کی فطرت صحیحہ کیا ہے 160

Marfat.com

حضرت غوث اعظمؒ، امام غزالی اور ابن عربی کا حال و قال 162

حال و قال کی آمیزش 165

حضرت شاہ ولی اللہ اور خواجہ نظام الدین اولیا کے احوال و کیفیات 167

شاہ ولی اللہ اور سلطان المشائخ کے رشد ارشاد کا فرق 171

مظہر ذات و صفات 173

سلطان المشائخ اور شاہ ولی اللہ کے ادراک کا فرق 176

حضرت موسیٰ مظہر صفات 182

حضرات عیسیٰ مظہر ذات تھے 184

حواشی 185

وحدت الوجود 187

تلاش اور مشاہدہ 188

حواشی 192

وحدت الوجود یعنی ہمہ اوست کی حقیقت 194

وحدت الوجود وحدت الشہود کے مغالطہ کی حقیقت 198

خیر و شر کا مغالطہ

فنا و بقا کا معیار حقیقی

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صاحب تصنیف

ترجمان حقیقت حضرت محمد عمر رحمۃ اللہ علیہ

دبیر بل شریف کی خانقاہ معلیٰ گذشتہ دو صدیوں سے علم و عرفاں کے ایک مثالی اور زندہ مرکز کی حیثیت سے مشہور ہے۔ حضرت غلام محی الدین قصوری دائم الحضوریؒ کے خلیفہ مجاز اور مصنفؒ کے جدامجد حضرت حافظ غلام مرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے مسند عرفاں کے ساتھ ساتھ مسند علم کو بھی زینت بخشی۔ چنانچہ برصغیر کے کونے کونے سے تشنگان علم و معرفت حاضر ہو کر اس چشمہ فیض سے اپنی پیاس بجھاتے رہے۔

مصنف کتاب ترجمان حقیقت حضرت محمد عمر رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۰۵ھ میں اسی علمی و روحانی ماحول میں آنکھ کھولی۔ اپنے جدامجدؒ کے مرکز علمی میں شرح جامی تک کتابوں کی تکمیل کے بعد اورئینٹل کالج لاہور سے مولوی فاضل اور منشی فاضل کے امتحانات پاس کیئے۔ مزید علم کا شوق آپ کو دہلی لے گیا۔ جہاں آپ نے نابغہ روزگار شخصیات سے علمی استفادہ کیا آپ کے جلیل القدر اساتذہ میں سے ڈپٹی نذیر احمد، مفتی کفایت اللہ صاحب مولانا عبداللہ ٹونکی اور مولانا احمد علی لاہوری کے اسماء گرامی خصوصاً قابل ذکر ہیں۔ حصول علم کے بعد

Marfat.com

آپ اسلامیہ کالج پشاور میں سات سال تک پروفیسر رہے۔ علمی مشاغل کی بنا پر علم معرفت کے حصول کے مواقع میسر نہ آسکے چنانچہ اپنے والد ماجد حضرت احمد احمد سعیدؒ کے وصال کے بعد آپ کسی مردِ کامل کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے آخر کار شیر ربانی حضرت میاں شیر محمد شرقپوریؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت سے مشرف ہوئے آپ نے حضرت میاں صاحبؒ کی خصوصی توجہ سے جلد ہی فقر کی نسبت اور مدارج میں کمال حاصل کر لیا۔ حضرت شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر ہی آپ نے بیر بل شریف کی مسند ارشاد کو رونق بخشی اور خلق خدا کی خدمت اور رشد وہدایت میں مصروف ہو گئے جلد ہی آپ مرجع خلائق بن گئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بیر بل شریف کی مسند علم و معرفت کی اعلیٰ روایات اور حضرت شیر ربانیؒ کی نسبت فقر کی خوب لاج رکھی۔

ترجمان حقیقت حضرت محمد عمر رحمۃ اللہ علیہ علم و عمل اور فقر و تصوف کا حسین امتزاج تھے۔ آپ نہایت اعلیٰ ظرف کے مالک اور عالی مشرب تھے۔ عمر بھر مسلک اعتدال کے مبلغ رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر مسلک کے لوگ آپ کا احترام کرتے۔ اور استفادہ کیلئے آپ کی خدمت میں حاضری دیتے آپ کی مجلس میں جہاں اہل دل نظر کیمیا اثر کا فیض پاتے وہاں اہل علم بھی آپ کی گفتگو سے گوہر مراد حاصل کرتے۔ علوم تصوف کی تشریح میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی تحریریں مادہ پرستوں اور ناقدین تصوف کے اعتراضات کا مسکت جواب ہوتیں ماہنامہ سلسبیل کا اجرا فرما کر آپ نے علمی حلقوں میں تصوف کی اعلیٰ اقدار کو روشناس کرایا۔ اس جریدہ میں شائع ہونے والے آپ کے مضامین تصوف کی جان ہیں۔ آپ کی معرکۃ الآراء کتاب ''انقلاب الحقیقت'' بظاہر تو حضرت میاں شیر محمد شرقپوریؒ کی سوانح ہے لیکن حقیقت میں ھدیۃ السالکین ہے۔ اس کتاب کے ہر صفحے پر سالک کو اپنی ہی کہانی لکھی نظر آتی ہے اور اس کی ہر سطر اسے اگلی

Marfat.com

منزل کا پتہ دیتی ہے۔ یقیناً یہ کتاب سالکین راہ طریقت کیلئے ایک مینارہ نور کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ کی دیگر تصانیف میں۔

(۱)"التوحید"(۲)"الھوی"(۳)صراط مستقیم(۴)قرآنی حقائق(۵) زنبیل عمر اور "قرآنی نظریہ حیات" خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مختلف رسائل میں شائع ہونے والے وقیع مضامین کو حال ہی میں مشہور سکالر پروفیسر محمد طفیل سالک نے حقائق و معارف کے نام سے مدون کیا ہے آپ کی تمام تصانیف تصوف کی تشریحات و تعبیرات کا حسین مجموعہ ہیں۔ معاصر صوفیاء اور اہل ذوق نے ان تحریرات کو اس دور زوال میں تصوف کے احیاء کیلئے ایک تجدیدی کارنامہ قرار دیا ہے۔

۲۹ چھبیس اگست
~~۲۸~~ اگست ۱۹۶۷ کو یہ آفتاب معرفت بظاہر تو غروب ہو گیا لیکن اپنی روشن تحریروں کی صورت میں تحریک احیاء و تجدید تصوف کی تاریخ میں امر ہو گیا۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

ربنا الحقنا بالصالحین وارزقنا اتباعھم

محمد نصر اللہ معینی
یکم مارچ 2000

Marfat.com

نقش اول

تحریر

پروفیسر محمد نصر اللہ معینی

عقیدہ توحید اسلام کے ان بنیادی عقاید میں سے ہے جس پر ایمان کی پوری عمارت کھڑی ہے توحید کیا ہے اس پر قدیم وجدید متکلمین نے کتابوں کے ڈھیر لگادیئے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس سارے انبار میں توحید حقیقی کا تصور گم ہو کر رہ گیا ہے۔

مصنف علیہ الرحمۃ کے الفاظ میں ''کسی نے حقیقت توحید کی طرف توجہ نہیں دی جتنا کچھ لکھا احکام توحید کی تشریح و توضیح پر لکھا فریقین اسی میں رہے کہ شجر توحید کے اندر کتنے خوشے شرک کے نظر آرہے ہیں یا جام و سبو میں توحید کیسی جھلکتی نظر آتی ہے''۔

صوفیاء کے نزدیک حقیقی توحید عقلی موشگافیوں کا نام نہیں یہ تو سراسر باطنی حال اور اندرونی کیفیت کا نام ہے جو انسان کو ایسی لذت سے آشنا کرتی ہے جس کے سامنے دنیا و آخرت کی تمام لذتیں اور تحریصات دم توڑ دیتی ہیں بقول اقبالؒ

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

عقیدہ توحید یکتا محبوب سے اسی آشنائی کا نام ہے جو موحدّ کو دو عالم کے

Marfat.com

خوف اور غم سے بے نیاز کر دیتی ہے اسی توحید سے صبر و توکل، تسلیم و رضا، عجز و نیاز، جرأت و استقامت اور ایثار و قربانی کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ چنانچہ ایسی توحید آئینہ دل کو چمکا کر اسے محبوب کے جلووں کا مرکز بنا دیتی ہے۔

تاریخ پر نظر ڈالیں تو توحید کا ایسا نتیجہ خیز تصور ہمیں متکلمین کے پاس نہیں انبیاء اور صوفیاء کے ہاں نظر آتا ہے۔ یہ نفوس قدسیہ توحید کی مئے سے سرشار ہو کر غیر اللہ کی محبت و اطاعت سے ہمیشہ دامن کش رہے۔ خلق خدا سے ان کے ہر تعلق اور ہر نسبت کا محور اور بنیاد وہی ذات وحدہٗ لاشریک رہی۔

ایسی توحید ہی دراصل امت مسلمہ کی قوت وحدت کا سرچشمہ ہے۔ اسی سے ملت اسلامیہ کے شیرازے کو بکھرنے سے بچایا جا سکتا ہے۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ دور حاضر میں جو انسان کو ہزار سجدوں سے نجات دلا سکتی ہے ایسی توحید کے مظاہر دیکھنے کیلئے آنکھیں ترستیاں ہیں۔

اب صورت حال یہ ہے کہ دعویٰ توحید بھی ہے اور گستاخی و بے مروتی کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ بلاشرکت غیرے موحد ہونے کا دعویٰ بھی ہے اور طاغوت سے راہ و رسم اور دِلبستگی کے سامان بھی کیئے جا رہے ہیں۔ بھلا ایسی روش کا توحید حقیقی سے کیا واسطہ ؟

مصنف کتابؒ ایسی توحید کے متعلق فرماتے ہیں۔

"موجودہ وقت میں ایک توحید رسمی پیدا ہو گئی ہے جو پہلے نہ تھی (وہ یہ کہ) صرف زبان پر توحید ہے، نہ قلب متاثر ہے نہ عقل متاثر..... یہ کسی بھی درجے کی توحید نہیں بلکہ اس توحید سے اہل توحید کو نقصان پہنچتا ہے..... بخلاف توحید قلبی

Marfat.com

(حالی) کے، زبان پہ کچھ آئے نہ آئے، صرف حال سے ہی تاثر پیدا ہو جاتا ہے.....
جس پر آنکھ بڑ جاتی ہے وہی گر جاتا ہے جس سے ہاتھ ٹکرا جاتا ہے وہی دھماکہ کھا جاتا ہے۔ اور بن بولے بن کہے حالات بدل جاتے ہیں اور کسی کی مجال نہیں ہوتی کہ اس کے سامنے سر اٹھائے۔ (التوحید)

ایک جگہ فرماتے ہیں۔

"صاحب حال کی زبان گنگ اور صرف حال اپنی ترجمانی آپ کرتا ہے۔ آنکھ ہے تو مسحور، چہرہ ہے تو نور علی نور، ایک نظر اٹھی اور سب کفر دور ہو گئے"۔

سلطان الھند خواجہ غریب نوازؒ کی مثال دیتے ہوئے توحید حالی کی اثر انگیزی یوں بیان فرماتے ہیں۔

"حضرت اجمیریؒ صرف توحید حالی سے سلطان الھند کہلائے۔ نہ ان کی زبان ہلتی ہے نہ ان کے قلم میں جنبش آتی ہے جو کچھ ہے اندر ہی اندر ہے۔ کچھ نکلتا ہے تو آنکھوں کے ذریعے یا چہرہ بشرہ کے ذریعے۔ لطف یہ کہ سارا ھندوستان کفرستان ہے ایک متنفس بھی توحید سے آشنا نہیں یہ اللہ کا بندہ اپنے حال میں مست صرف اجمیر کا راستہ لیے چلا جا رہا ہے۔

لاکھوں سرکش سامنے آتے ہیں۔ سینکڑوں منکر ان توحید مقابل آتے ہیں سازشیں کرتے ہیں..... جو بھی سامنے آتا ہے گرنے کے سوا چارہ نہیں پاتا۔ راجے مہاراجے سب مقابلے کیلئے آئے..... دیکھا تو کیا دیکھا؟ پلٹے تو کس حال میں؟ سینکڑوں نہیں ہزاروں لاکھوں دم بخود ہو کر اس کا توحیدی کلمہ پڑھنے لگے"

"التوحید"

Marfat.com

امت مسلمہ کیلئے یہ ایک بڑا المیہ ہے کہ دور حاضر کے بعض نام نہاد موحدین ان نفوس قدسیہ کے متعلق یہ کہتے نہیں شرماتے کہ صوفیا خلق خدا کو شرک کی تعلیم دیتے ہیں اور ان سے نسبت رکھنے والے خدا پرست نہیں پیر پرست ہوتے ہیں العیاذ باللہ! حقیقت شناس جانتے ہیں کہ اہل اللہ کی زندگیاں خلق خدا کو معبود حقیقی کا راہ دکھانے اور اس کی چوکھٹ پر جھکانے کی جدوجہد میں گذر جاتی ہیں وہ داعی الی اللہ ہوتے ہیں لوگوں کو اپنی ذات کی طرف نہیں بلاتے۔ وہ اپنے ہاں آنے والوں کے عقیدہ و عمل پر گہری نگاہ رکھتے ہیں اور خداداد بصیرت کے نور سے ہر ایک کے حسب حال علاج تجویز کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں مصنف کتاب ھذا حضرت محمد عمر رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں پیش آنے والے ایک واقعہ کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ مجلس میں تشریف فرما ہیں۔ مغرب کا وقت ہوا چاہتا ہے کہ ایک اجنبی مسافر حاضر خدمت ہو کر اپنا دکھ بیان کرنے لگا۔ اس کا بیٹا بیماری کے ہاتھوں زندگی کی بازی ہار رہا تھا۔ دم تعویز اور دوادارو سب بے اثر ہو چکے تھے کہنے لگا۔ اب ہر طرف سے مایوس ہو کر آپ کے دروازے پر آیا ہوں۔ اب آپ ہی میرا آخری سہارا ہیں..... ان کلمات کے سنتے ہی آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔ اور پھر اس غمزدہ مسافر کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس کے زخموں پر مرہم رکھنے کی بجائے اس مرد درویش نے اسے مجلس سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔ وہ کہہ رہے تھے تم نے محمد عمر کو خدا سمجھ لیا ہے۔ بھاگو یہاں سے اور ہاں رات ہو چکی ہے مسجد میں چلے جاؤ اور وہیں رات گزار کر صبح سویرے نکل جانا۔

Marfat.com

اور خبر دار جو دوبارہ ادھر کا رخ کیا۔ وہ پریشان حال شخص نظروں سے اوجھل ہوا تو خادم خاص کو حکم دیا کہ مسجد میں اس مسافر کیلئے کھانے اور بستر کا انتظام کرو۔ خادم کے چہرے پر استعجاب و حیرت کی کیفیت دیکھ کر فرمایا۔ ہم نے اس کے بیٹے کا علاج کر دیا ہے یہ شخص محمد عمر کو آخری سہارا سمجھ کر آیا تھا۔ میں نے اس کا یہ سہارا توڑ کر اس کے حقیقی سہارے کی بارگاہ میں بھیج دیا ہے۔ وہ دل شکستہ ہو کر اس بارگاہ میں ملتجی ہو گا کہ مولا اب تیرے سوا میرا کوئی نہیں تو ہی آخری سہارا ہے۔ اور یوں رحمت حق جوش میں اجائے گی اور اس کا کام بن جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ رات بھر کی آہ وزاری کے بعد وہ صبح سویرے اپنے گاؤں روانہ ہو گیا۔ گھر کی دھلیز پار کی تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس کا قریب المرگ بیٹا صحیح سالم بیٹھا کھانا کھا رہا ہے۔

اللہ اکبر یہ ہے ان نفوس قدسیہ کی بصیرت اور یہ ہے ان کی توحید حالی کی ایک جھلک۔ بھلا ایسے لوگوں کی گلی میں شرک کا گذر کیسے ممکن ہے۔

علم اور معرفت کا فرق اور مشاہدہ حق

مشاہدۂ حق کا موضوع متکلمین اسلام کے نزدیک ہمیشہ زیر بحث رہا ہے۔ چنانچہ ایسے داعیان توحید جن کا توحید حالی کے کوچے میں کبھی گذر نہ ہو سکا مشاہدہ حق کا شدومد سے انکار کرتے رہتے ہیں۔ حضرت مصنف علیہ الرحمۃ نے توحید بحیثیت ظہور کے باب میں اس پر بڑے عمدہ پیرایے میں روشنی ڈالی ہے۔

''گفتنی'' میں مشاہدہ حق کے بنیادی مقدمات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

Marfat.com

"جاننے اور پہنچاننے میں بڑا فرق ہے۔ جاننے میں وہ تیقن نہیں۔ جو پہچاننے میں ہے جاننا یعنی علم خواہ کتنا وسیع ہو پھر بھی شناخت یعنی معرفت کے ادنیٰ درجے تک نہیں پہنچ سکتا..... معرفت الٰہیہ کا جاننا اور صرف جاننا کسی کے بھی نزدیک معرفت نہیں اہل علم سو دلائل سے اسے جانیں لیکن نہ جاننے کے برابر ہے معرفت صرف شناختن کے اندر محدود ہے"

اہل بصیرت جانتے ہیں کہ شناختن بغیر مشاہدے کے ممکن نہیں کیونکہ معرفت کی بنیاد مشاہدہ ہی ہے۔ توحید بھی اپنی معرفت مشاہدات کے ذریعے کراتی ہے۔ قرآن مجید سے اس پر کئی واقعاتی شواہد پیش کیئے جاسکتے ہیں۔ ترجمان حقیقتؒ نے اس کتاب میں ان شواہد کی طرف توجہ دلائی ہے مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے فرماتے ہیں۔

"موسیٰؑ سے کہا جاتا ہے تم مجھے دیکھ نہیں سکتے۔ ہاں پہاڑ پر نظر جماؤ اگر وہ اپنی جگہ پر قائم رہا تو دیکھ سکو گے۔ اتنے میں تجلی الٰہی پہاڑ پر پڑتی ہے تو پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ اور موسیٰ گر پڑتے ہیں"

غور کیا جائے موسیٰ نے دیکھا یا نہ دیکھا؟

دیکھا تو کس کو دیکھا نہ دیکھا تو کسے؟

واضح معلوم ہوتا ہے کہ ذات اقدس کو تو نہ دیکھ سکے لیکن اس کے ظہور نے ہی موسیٰ پر بجلی گرائی اور وہ بے ہوش ہو گئے۔

کیا ذات اقدس کا ادراک (مشاہدہ) ہوا یا نہیں؟ ہوا تو حواس ظاہرہ اس

Marfat.com

کی بنیاد ہیں یا صرف باطن ہی ذریعہ ہے"

حقیقت یہ ہے کہ آپ نے مثالوں کے ذریعے بڑے خوبصورت انداز میں واضح کیا ہے کہ ایمان بالغیب کی امداد جب تک ایمان بالمشاہدہ کے ذریعہ نہ ہو گہ ثمر آور نہیں ہوتا۔

کہا جاتا ہے کہ اہل اللہ اور ان کا کلام سمندر کی مانند ہوتا ہے جس کے کنارے کھڑے ہو کر موجوں کا نظارہ تو کیا جا سکتا ہے انہیں گنا نہیں جا سکتا۔ سو ان سطور میں مجھ سے بھی یہی کام ہو سکا۔ چنانچہ یہ چند جھلکیاں اس موضوع پر لکھی جانے والی ایک منفرد کتاب کے تعارف کی غرض سے پیش کی گئیں۔ اس سے مقصود کوئی جائزہ یا تبصرہ ہر گز نہیں۔

کتاب کا رنگ اگرچہ علمی ہے لیکن فنی اصطلاحات سے اجتناب کی بنا پر قاری کیلئے بھی اس سے استفادہ آسان ہو گیا ہے اس کتاب کی ہر ہر سطر میں توحید چھلکتی نظر آتی ہے جس سے قاری کیف میں ڈوب ڈوب جاتا ہے۔ توحید کو اپنے من پر وارد کرنے والے اہل اللہ کی تحریر و تقریر کا یہی خاصہ ہے جو انہیں توحید علمی کی موشگافیوں میں الجھنے والوں کی تحریرں سے ممتاز کرتا ہے۔ مسلک اعتدال کی بنا پر آپ کی تحریریں مذہبی انتہا پسندی اور دل آزاری سے پاک ہوتی ہیں آپ کی سلامتی طبع نے ان تحریروں میں توازن اور حسن بھر دیا ہے۔ اس کتاب میں اگرچہ موضوعات کا تنوع ہے نظر آتا ہے لیکن سب کا مرکزی خیال یہی توحید حالی جس سے شجر ایمان ثمر بار ہوتا ہے۔

یہ کتاب ان مضامین کا مجموعہ ہے جو مدتوں پہلے ماہنامہ سلسبیل کے

Marfat.com

توحید نمبر میں شائع ہو چکے تھے انہیں نئے سرے سے مرتب کر کے کتابی صورت میں شائع کرنے کی ضرورت عرصہ سے محسوس کی جارہی تھی "زاویہ" مبارکباد کا مستحق ہے کہ اس نے مصنفؒ کے فرزند ارجمند جناب صاحبزادہ خالد سیف اللہ صاحب مدظلہ کی تحریک پر تصوف کی اس منفرد کتاب کو زیور طبع سے آراستہ کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ ان کی یہ سعی مشکور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبولیت کے ساتھ ساتھ اہل تصوف سے محبت رکھنے والوں کی طرف سے بھی یقیناً تحسین کی مستحق قرار پائے گی۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی بیشتر کتابوں کو شائع کرنے کی سعادت بھی "زاویہ" کے مقدر میں آئی ہے۔ اس کتاب کی ترتیب و تدوین نو کا آغاز برادر محترم پروفیسر محمد طفیل سالک شعبہ فلسفہ گورنمنٹ کالج لاہور نے کیا تھا لیکن بوجوہ وہ اسے جاری نہ رکھ سکے۔ ان کی قائم کردہ بنیادوں پر تکمیل کی سعادت اس فقیر کے نصیب میں آئی۔ اس پر وہ بارگاہ ایزدی میں سراپا تشکر و امتنان ہے اور دنیا و آخرت میں صلحاء مقربین کی رفاقت کیلئے ملتجی ہے۔

احب الصالحین ولست منهم
لحل الله يرزقنی صلاحا

پروفیسر محمد نصر اللہ معینی

Marfat.com

Marfat.com

گفتنی

توحیدی نمبر اور کتابچے کئی شائع ہو چکے ہیں۔ لیکن کسی نے حقیقت توحید کی طرف توجہ نہیں دی، اور نہ معرفت الٰہیہ کی بابت کچھ لکھا۔ جتنا کچھ لکھا احکام توحید کی تشریح و توضیح پر لکھا۔ فریقین اسی میں رہے کہ شجرۂ توحید کے اندر کتنے خوشے شرک کے چمکتے نظر آرہے ہیں، یا جام و سبو میں توحید کیسی جھلکتی نظر آتی ہے۔ ہم اس کے بر خلاف خالص توحید کے معارف و حقائق پر نمبر شائع کر رہے ہیں، اور معرفت الٰہیہ کی رہنمائی کے لئے چند قدم اٹھائے ہیں۔

صدی ڈیڑھ صدی گزر گئی، کہ تصوف کے کام و زبان پر مہر سکوت قائم ہے، اور تصوف علمی راہ میں خاموش و حیران کھڑا نظر آرہا ہے۔ ہم نے مہر سکوت توڑنے کی جرأت کی ہے، اور خام و پختہ خیالات کو تحریر کے جامے میں لانے کی کوشش کی ہے۔ یہ بہت بڑا مسئلہ ہے، کہ ذات اقدس دیکھنے میں آتی ہے، یا نہیں۔ ہر دو جانب سے دلائل عقل و نقل سے بھر پور ہیں۔ لیکن دنیا جانتی ہے، کہ اگر وہ دیکھنے سمجھنے میں نہیں آتا تو کروڑوں اربوں انسان اس کے قدموں پر سجدہ ریز کیسے ہو سکتے ہیں؟ اور نبی اور ولی کا دوسرے انسان سے امتیاز کیسا ہے؟

دانستن و شناختن

"جاننے" اور "پہچاننے" میں بڑا فرق ہے۔ جاننے میں وہ تیقن نہیں جو

Marfat.com

پہچاننے میں ہے۔ علم یعنی "جاننا" خواہ کتنا وسیع ہو پھر بھی شناخت کے ادنیٰ درجے تک نہیں پہنچتا۔ کسی شہر یا کسی انسان کی بابت کتنا بھی کوئی علم حاصل کر لے لیکن جب اسے دیکھیں گے تو اس دیکھنے کے اندر ایک شوق ایک محبت ابھرتی چلی جائے گی۔ اور مشاہدہ کرنے کے بعد علم کی بے مائیگی نظر آجائے گی لیکن اس علم یعنی صرف "جاننے" میں یہ محبت یہ شوق کیسے پیدا ہو سکے؟

معرفت الٰہیہ کا جاننا اور صرف جاننا کسی کے نزدیک بھی معرفت نہیں۔ اہل علم سو دلائل سے اسے جانیں لیکن نہ جاننے کے برابر ہے۔ معرفت صرف "شناختن" کے اندر محدود ہے۔

اہل علم اپنے وفور علم کے باوجود معلوم نہیں کیوں ابھی تک پہلے درجے یعنی "جاننے" پر نہایت ضد سے جمے ہوئے ہیں۔ بعض رسائل میں ایسے مضامین دیکھنے میں آتے ہیں، جس میں معرفت الٰہی کے لئے تگ ودو حرام قرار دی گئی ہے اور وہ کہتے ہیں۔ کہ اس سے مذہب کو نقصان پہنچتا ہے اور مذہب کے اندر جمود نہیں رہتا، اور اس کے حدود و قیود ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔ اور جاننے والے (اہل علم) "پہچاننے والوں (اہل معرفت) کی راہ کو پسند نہیں کرتے اور کہتے ہیں "پہچاننے والے" (اہل معرفت) اپنے مشاہدات کو اولیت کا درجہ دے کر مذہبی روایات سے لاپرواہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں سوچتے کہ مذہبی روایات کیسے پیدا ہوئیں؟ کسے انکار ہے، کہ مذہبی روایات کی بنیاد "پہنچاننے" پر ہے۔

ایسی صورت میں پہچاننے یعنی (معرفت) سے کیسے لاپروائی کسی کو پسند ہو گی۔ بہر صورت خدا کے فضل سے ہم جاننے کی حدود سے آگے قدم اٹھا چکے ہیں اور ہمارا ایمان یہ ہے کہ "پہچاننے" کے بغیر مذہب کی کوئی حقیقت قائم نہیں رہتی۔

87389

اس گئے گزرے زمانے میں مذہب کی جو روش ہے، وہ صرف علمی

87389

Marfat.com

روایات کی وجہ سے نہیں بلکہ مشاہدات روحی کے ساتھ یقین کی وجہ سے یہ چشمہ مذہبی برابر چل رہا ہے اور چلتا رہے گا۔ جب شناخت الٰہیہ ختم ہو گی تو مذہب ختم ہو جائے گا۔

توحید

جیسے خود ذات اقدس بے پایاں ہے، اسی طرح اسکا علم بھی بے پایاں اور لا محدود ہے۔ لیکن انسانی ذہن محدود ہے۔ اور ہمارا ذہن اتنا کم ہے جتنا ایک نقطہ یا اس سے بھی کم۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی کوئی کامل صورت علمی پیش نہیں کی جا سکتی۔ بلکہ یہ ایک خاکہ ہے اور ہر شائق نگاہ، اپنی نگاہ کی وسعت کے مطابق اس سے وہ کچھ دیکھ سکتی ہے جس کے دیکھنے کے لئے انسان پیدا کیا گیا۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ سے کھلا پتا چلتا ہے کہ ذات اقدس کا ادراک آنکھ سے نہیں ہو سکتا۔ لیکن دیکھنا یہ ہے، کہ اس ادراک ذات الٰہیہ میں بنیادی حواس ہی ذریعۂ ادراک ہو سکتے ہیں یا کچھ اور۔ حالانکہ یہ بات تسلیم شدہ ہے، کہ ادراک کا ذریعہ بنیادی طور پر حواس ظاہرہ ہیں۔ اس کے بغیر حواس باطنہ کی کوئی بنیاد نہیں۔

دیکھنے، سننے اور چھونے وغیرہ کے سوا ادراک کیسے قائم ہو سکتا ہے۔ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جاوے کہ یہ ادراک قلبی ہے، لیکن جب تک اس کے اندر بھی رنگت نہ آئے تو ادراک محال، ساتھ ہی ادراک کے سوا کسی ہستی کا قبول کرنا بھی محال ہے۔ پہلے ادراک قدم جمائے گا اور اس کے بعد تسلیم ہو گی۔

ایک طرف تو لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ہے۔ دوسری طرف دیکھئے تو اِنِّیْ اَنَا اللّٰہ سے کوئی اپنی شناخت کرا رہا ہے۔ یہ شناخت بے رنگ و بو ہے، یا رنگ بھری صدا سے شناخت دلائی جا رہی ہے!

Marfat.com

موسیٰ سے کہا جاتا ہے۔ کہ تم مجھے نہیں دیکھ سکتے۔ ہاں تم پہاڑ پر نظر جماؤ۔ اگر پہاڑ اپنی جگہ پر قائم رہا تو دیکھ سکو گے۔ اتنے میں تجلی الٰہی پہاڑ پر پڑتی ہے، تو پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے اور موسیٰ گر پڑتے ہیں۔

اب غور کیا جائے، موسیٰ نے دیکھا یا نہ دیکھا؟۔ دیکھا تو کس کو دیکھا اور نہ دیکھا تو کس کو؟

واضح معلوم ہوتا ہے، کہ ذات اقدس کو تو نہ دیکھ سکے لیکن اس کے ظہور نے ہی موسیٰ پر بجلی گرائی اور وہ بے ہوش ہو گئے۔

کیا ذاتِ اقدس کا ادراک ہوا یا نہ ہوا؟۔ اگر ہوا تو حواس ظاہرہ اس کی بنیاد ہیں یا صرف باطن ہی ذریعہ ہے! غرض ذات اقدس نہ دیکھی جا سکتی ہے، نہ دیکھی گئی۔ لیکن اس کے ظہورات تو دنیا دیکھتی ہے۔ اور ان ظہورات اور "شیونات"[1] ہی سے وہ ذات اپنی کامل صورت میں جلوہ نما ہوتی رہتی ہے، اور اپنی شناخت کامل کراتی رہتی ہے۔

رسالت مآب ﷺ فرماتے ہیں، رَأَیتُ رَبّیْ فِیْ سِکَکِ الْمَدِیْنَۃ (میں نے اپنے رب کو مدینہ کی گلیوں میں دیکھا)۔ پھر اس پر بس نہیں۔ ایک جگہ فرمایا ہے۔ عَلٰی صُوْرَتِ الشَابِّ الْاَمْرَدِ [2] کہ ایک نوجوان کی صورت میں دیکھا۔

دیکھئے ذات کی جلوہ نمائی کھلی ہو رہی ہے۔ گو آنکھوں کے ادراک سے باہر ہے، لیکن اس کے ظہور نے ایک رنگ بھری صورت اختیار کر لی اور نبی پاکؐ نے اس صورت کو ذات ربی قرار دیا۔

ظہورات عامہ و خاصہ

اپنی ذات یعنی روح کو جب ہم دیکھ نہیں سکتے اور اپنی شناخت بھی ذات

Marfat.com

کے عوارضات و تشخصات ہی سے کرتے ہیں، اور اوروں کو کراتے ہیں، تو روح الروح یعنی وہ ذات حواس سے کیسے دکھائی دے سکتی ہے؟ ہاں ذات اقدس کے ظہور کو ضرور حواس ظاہرہ دیکھ سکتے ہیں۔

ایک ظہور عام ہے۔ جس سے رہنمائی اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک ظہورات خاصہ ذات کی طرف رہنمائی نہ کریں۔ بلکہ ظہورات ذات کا ادراک پہلے کراتے ہیں۔ جب وہ ادراک کامل ہو جاتا ہے، تو پھر ظہورات عامہ تکمیل ظہورات خاصہ کرتے ہیں، اور ذاتِ اقدس کے تمام خدوخال یک بیک دل وجاں میں آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں۔ اور بے صورت صورت میں نمودار ہو جاتا ہے، اور کلی طور پر نمودار ہوتا ہے، یہاں تک کہ عارف عین الیقین اور حق الیقین کے درجہ پر پہنچ جاتا ہے۔

اس وقت عارف کا، دیدار کا خیال ایک مشتاق کی طرح ہر طرف لپکتا نظر آتا ہے اور ایک آن بھی عارف کی آنکھ نہیں پھرتی، نہ بھٹکتی ہے اور یہی تعبیر ہے مازاغ البصرو ماطغی کی کہ نہ تو آنکھ ہی پھرتی ہے۔ اور نہ سیر ہوتی ہے۔

اُمید ہے کہ ناظرین پڑھنے کے بعد اس عاجز سیاہ کار کے لئے دُعا فرمائیں گے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پاک لوگوں کے صدقے اس سیاہ کار کی سیاہ کاری کو معافی دینے کے بعد زمرۂ صالحین میں داخل فرماوے۔

أُحِبُّ الصَّالِحِيْنَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ

لَعَلَّ اللّٰهَ يَرْزُقُنِيْ صَلَاحًا

علمی توحید، صرف افکار ہیں اور استدلال ہیں، اور یہ بے یقینی و پریشانی اور بے عملی کے سوا کچھ نہیں۔ اور ذوقی یا حالی توحید سراسر یقین، اطمینان، اور ذوق و محبت سے اور عمل سے وابستہ ہوتی ہے۔

Marfat.com

اگرچہ تحریر ہذا وہی کچھ ہے، جو علمی توحید کہلاتی ہے لیکن ایک ہلکا سارنگ ذوق آپ اس میں پائیں گے، جس کے پڑھنے سے ناظرین کی طبیعت نہیں اکتائے گی۔ بلکہ ایک ایک لفظ میں آپ کو ایک ذوق اور محبت کی جھلک نظر آئے گی۔ یہ ذات اقدس کی مہربانی ہے۔ ورنہ ہم پر بھی توحید علمی کا رنگ غالب ہے۔ خدا کرے کہ یہ اس کے بعد کسی دن ذاتی توحید ہو جائے، اور دنیا سے سرخرو ہو کر بارگاہ الٰہیہ میں جاگریں۔

حالی توحید سراسر صبر و شکر ہوتی ہے اور تمام کارخانہ توکل پر چلتا ہے۔

طالب دعا

محمد عمر

شیونات جمع ہے شان کی۔

Marfat.com

توحید

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

رَبِّ اشۡرَحۡ لِیۡ صَدۡرِیۡ وَیَسِّرۡلِیۡ اَمۡرِیۡ

وَاحۡلُلۡ عُقۡدَۃً مِّنۡ لِسَانِیۡ یَفۡقَھُوۡا قَوۡلِیۡ

جس مسئلہ کو میں واضح کرنا چاہتا ہوں، یہ بہت باریک ہے اور خوف ہے کہ اصل حقیقت کی وضاحت پر فہم نہ پہنچیں اور مجھے اپنے عقیدے میں بدنام کریں۔ میرا عقیدہ وہی ہے جو ایک مسلمان کا ہونا چاہیئے۔ اور اسی عقیدہ کی گرہ کشائی کے لیے میں کچھ لکھتا ہوں۔ لیکن وضاحت کا معاملہ نازک ہے۔

مشاھدہ سے ہی مذہب وجود میں آیا۔ اور مذہبی روایات یہی ہمیں بتلاتی ہیں، کہ انسان کے مورث اعلیٰ آدم علیہ السلام کو جب اپنا احساس ہوا، تو ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کا وجدان غالب ہی نہیں، بلکہ اس کا مشاہدہ اور معرفت بھی نصیب ہوئی۔ پیدائش آدم پر ہی یہ الفاظ ملتے ہیں :

اَنۡبِئۡھُمۡ بِاَسۡمَآئِھِمۡ

(ان کو اشیاء کے نام بتادو)

یَا آدَمُ اسۡکُنۡ اَنۡتَ وَزَوۡجُکَ الۡجَنَّۃَ وَکُلَا مِنۡھَا رَغَدًا حَیۡثُ شِئۡتُمَا وَلَا تَقۡرَبَا ھٰذِہِ

Marfat.com

اَلشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔

یہ الفاظ پاک صاف بتاتے ہیں کہ شعور کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اُن سے خطاب فرمایا۔ یہ خطاب معرفت کاملہ کا کامل ثبوت ہے۔

ایسے ہی ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات نے مشاہدہ کے ذریعہ اپنی معرفت اپنے خاص بندوں کو نصیب فرمائی اور ان کے ذریعہ اپنی صفاتِ کاملہ کا بیان اپنی زبان قدرت (کتب سماویہ) سے عوام کو سنایا، تاکہ عوام بھی اس فیض ہدایت سے محروم نہ ہوں، اور وہ اپنا ایمان بالغیب قائم کریں تاکہ دنیا و آخرت کی فلاح حاصل کریں۔ مشاہدہ کے ذریعے جو معرفت دی گئی، اس معرفت سے بھی اس کی ذات حقہ کی کنہ وراء الورا ہے۔ لیکن صاحب معرفت اگرچہ اس کے خدوخال تک نہیں پہنچتا، تاہم اسے اتنی شناسائی ہو جاتی ہے کہ کسی دوسری ہستی سے اس کا اشتباہ نہیں رہتا۔ بلکہ عین حقیقت ذات کا ایک تصور عامہ آنکھوں سے پوشیدہ نہیں ہوتا۔ گو ذات حقہ کی معرفت بھی حجاب سے باہر نہیں آتی۔ لیکن "من انداز قدت رامے شناسم" کی وجہ سے کوئی اشتباہ اور کوئی شرکت نہیں رہ جاتی۔ لیکن صفات ذات کا بیان کتنا بھی واضح ہو، پھر بھی اصل ذات صحیح طور پر ذہن میں واضح نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ذہن اسی طرف جاتا ہے، جو مشاہدہ کے اندر آیا ہوا، اور وہی صورت گھڑتا ہے جو اس نے دیکھی ہے، یا اس کے مشابہ نادیدہ کو قوت واہمہ کی مدد سے ذہنی دید میں لانے کی کوشش کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ نظری طور پر ذات حقہ کی صفات کا صحیح نقشہ بہت کم ذہن میں آتا ہے اور اسی وجہ سے بار بار فرمایا جاتا ہے۔ لَا شَرِیْکَ لَہٗ۔ کوئی اس کی صفات کا شریک نہیں۔ اور اسی معنے میں لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ فرمایا۔ "کوئی چیز بھی زمین و آسمان میں اس کی مثال کی نہیں، جس سے تشبیہ دی جائے۔ اور اکیسویں پارے میں اپنے نشانات و صفات قدسیہ

Marfat.com

بیان فرمانے کے بعد فرماتے ہیں، وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ اور اس کی شان زمین و آسمان میں بہت ہی بلند ہے، اور وہ غالب حکمت والا ہے۔

عام خیال یہی انسانی ذہن میں جما ہوا ہے کہ لوگ اپنی ذات کی طرح اس ذات حقہ کو بھی خیال کرتے ہیں۔ گو ذات حقہ کی صفات عام کتب مذہب میں، خصوصا قرآن حکیم میں، روزانہ پڑھتے اور دیکھتے ہیں، لیکن محدود ذہن اپنی حد سے باہر نہیں دیکھ سکتا۔ یہ اپنی ذہنی وسعت کے اندر تو بلاشبہ بہت دوڑ دھوپ کرتا ہے۔ لیکن اس ذات کی صفات کاملہ کا ذہن میں پورے طور پر آجانا بہت ہی مشکل ہے۔ اس لیے جتنی وسعت بھی ذہن میں اس ذات کے بارے کی جائے کم ثابت ہوتی ہے۔ اور وہ ذات حقہ اور اس کے صفات ذہن میں صحیح طور پر نہیں بیٹھ سکتے۔ ہاں ایک خاکہ سا آجاتا ہے جس پر ہمارے ایمان بالغیب کا مدار ہے۔ لیکن جب تک اس کی امداد ایمان بالمشاہدہ کے ذریعہ نہ ہو، یہ خاکہ خاکہ ہی رہتا ہے اور ثمر آور نہیں ہوتا۔ ہمیشہ سے دستور الٰہی اسی طرح چلا آتا ہے، جسے سنت اللہ کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے، کہ پہلے معرفت الٰہیہ کا پودا مشاہدہ کے ذریعہ سینچا جاتا ہے۔ جب وہ درخت تناور ہو جاتا ہے تو پھر اس کے ذریعے، صفات الٰہیہ کو پیش کر کے دعوت عامہ دی جاتی ہے۔ نبی یا ولی کا مشاہدہ ایک گونہ اس کا تخم ہو جاتا ہے، اور پھر صفات عالیہ کے جان لینے کے ذریعہ اس کی ذات حقہ پر ایمان کامل ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ پھر یہ ایمان ثمر آور ہو کر یقین کے اس درجہ پر پہنچتا ہے، جس پر مشاہدہ کے مدارج کھلنے شروع ہو جاتے ہیں، اور ذات حقہ کی جلوہ آرائی سامنے آجاتی ہے۔

یہ چند حروف اس لیے لکھے، کہ اگر میری یہ تحریر میرا مطلب پورا ادا نہ کر سکے، اور میری بات فہم میں نہ آئے، تو کسی غلطی میں کوئی مبتلا نہ ہو۔ نہ ایں

Marfat.com

جانب (بندہ) نہ آں جانب (ذات حقہ)۔ اور وہی کچھ اپنے ذہن میں رکھا جائے، جو اس تحریر کے پڑھنے سے پہلے کسی کے ذہن میں توحیدی معرفت تھی۔

پارہ ہفتم سورۂ انعام سے ہم اپنے مقصد کی وضاحت کے لیے حسب موقع آیات پیش کرتے ہیں۔ امید ہے قارئین پورے غور سے اُن پر توجہ فرمائیں گے، اور الفاظ کے معانی سے بڑھ کر حقیقت معانی تک پہنچنے کی کوشش فرمائیں گے۔

توحید کیا ہے؟

☆ وہ قدرت متصرفہ ہے، جو تمام کائنات عالم کے تصرف کی مالک ہے۔ قوت متصرفۂ عالم کا نام توحید ہے۔

☆ وہ قدرت کاملہ جو تمام کائنات کی واحد مالک ہے، اور ہر ذرہ کی تخلیق اور پرورش اپنی ہستی کے ساتھ وابستہ رکھتی ہے۔

☆ موجود اور معدوم اس کے سامنے یکساں۔ ہر چیز کی ذات میں ہونے کے باوجود ہر چیز سے جدا

☆ اور وہ سراسر نور ہے۔ لیکن اس نور سے جدا، جسے ہم دیکھتے ہیں یا جس کا احساس وادراک ہم کو ہوتا ہے۔

☆ ازل سے ابد تک یکساں، اس کی ذات ہر تغیر سے پاک، اس کی ذات میں نفرت نہیں۔ سراسر محبت ہے۔ ہر نیک وبد سے یکساں اور اس کے ارتقاء کی مربی۔

اس کی ذات کا ظہور اس کی صفات ہیں، جو عالم کون و فساد میں جلوہ گر۔ آسمان و زمین اور زمان..... اور جو کچھ ان کے اندر ہے یہ اس کے ظہورات، مثالی عینی و حسی ہیں۔

Marfat.com

اس کی زبان قدرت اس سے خاص تعلق رکھنے والے سنتے ہیں۔ ہر زبان اس کی ہی زبان ہے، اور ہر تصور اس کا ہی تصور ہے۔ ہم کچھ نہیں وہی کچھ ہے۔

توحید وہ دانا و بینا ہے، اور عقل کل ہے۔ جو کچھ ہم جانتے ہیں یا دیکھتے ہیں، وہ (توحید) جانتی اور دیکھتی ہے۔ اور جو کچھ وہ دیکھتی ہے یا جانتی ہے، ہم نہیں دیکھتے جانتے۔

شاعر کی زبان اسے "جان جہاں" کہتی ہے۔ اور مذہب اُسے رب العالمین کے نام سے پکارتا ہے۔ یعنی (پروردگار عالم) ہر چیز کا خالق و رازق اور نگہبان۔

اس کو سینکڑوں ناموں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور ہر زبان میں اس کے نام کا ورد جپتے ہیں۔ جتنے اس کے نام ہیں، ان تمام کا اور ان کے مجموعہ کا مسمّٰی وہ ہے۔ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ

جاہل دنیا تصور خدائی سے ابھی تک الگ نہیں اور وجدانی طور پر ہر ایک اس تصور پاک سے بھر پور ہے۔ لیکن علمی دنیا میں جوں جوں سائنس کے انکشافات نے ترقی کی، اور وہ ترقی علمی صورت میں نمودار ہو رہی ہے، تصور خدائی کو انسانی شعور سے نکالنے کی بڑی کوشش ہو رہی ہے۔ لیکن ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی۔ بلکہ اب پھر یہ پڑھی لکھی دنیا اس خیال میں بلند ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ مختلف عناصر کا کیسے ایک ضبط، ایک سلیقہ اور ایک وحدت سے باہمد گر توافق سے کائنات کے ارتقاء میں مدد دے رہا ہے۔

آخر کوئی وحدت ہے جو اس کارخانہ کے ذمہ دارانہ فرائض ادا کر رہی ہے اور کائناتی اختلاف کو ایک وحدت میں جکڑے ہوئے باقاعدہ چلا رہی ہے۔ آخر یہ قوت اور یہی طاقت "الٰہ العالمین" کے نام سے پکاری جاتی ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی خیال پیدا ہوتا ہے کہ کوئی شعوری طاقت نہیں، بلکہ بجلی کی طرح ایک لاشعوری طاقت یا ایک فطرت کام کر رہی ہے۔ مگر جب ہم اپنے شعور کے منبع کا

Marfat.com

خیال کرتے ہیں تو صاف دیکھتے ہیں، کہ ایک مادہ سے یہ تمام شعور پیدا ہو رہے ہیں، جو بذاتہ کوئی اپنا شعور نہیں رکھتا جب کہ اسے اس ساخت دماغی سے الگ کر لیا جائے۔ پھر اس مادہ کی ابھی تک یہ تحلیل نہیں ہو سکی کہ شعور کی تیزی اور کمی کے کیا وجوہ ہیں ؟اور مختلف شعور اور افہام کی کمی پیشی کیسی ہوتی ہے ؟

جس خدائی کے یہ لوگ منکر ہیں، وہ اپنی آواز سے اس کا حل یہ بتلاتا ہے هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَاءُ یعنی جیسے چاہے ڈھال دے۔ اور اسے ڈھالنے کی فطرت مادہ میں کوئی ترقی، کسی صورت سے بھی نہیں ہو سکتی، اور نہ تنزل ہو سکتا ہے۔ پھر اس جزوی شعور انسانی نے کتنی ترقی کی ہے، اور کہاں تک پہنچ گیا ہے ؟ یہ ساری دنیا اپنی آنکھوں دیکھ رہی ہے۔ لیکن کائناتی وحدت کے شعور سے کیسے انکار کیا جا سکتا ہے، جب ہم خود اپنے شعور سے کائناتی شعور کی کلیت تمام کائنات میں کار فرما دیکھتے ہیں۔ اور صرف کلیت ہی نہیں دیکھتے بلکہ سراسر حکمت سے بھرپور مطالعہ کرتے ہیں۔

وحدت کے فیوض / خدائی نشریے

ریڈیو کے والو جب بجلی کی گرمی سے روشن ہو جاتے ہیں اور گرمی سے ان میں طاقت پیدا ہو جاتی ہے، تو ریڈیو سٹیشنوں کی آواز پکڑنے لگ جاتے ہیں، اور ہر سمت ا ے کی آواز کو الگ الگ لیا جا سکتا ہے۔ بعینہٖ اس طرح جب انسانی (والو) لطائف کو ذکر و اذکار کی گرمی سے روشن کر لیا جاتا ہے، تو وحدت مطلقہ کے نشریے سنائی دیتے ہیں۔ اور جتنی قوت لطائف میں زیادہ ہوتی ہے اتنی ہی آواز صاف اور بلند ہوتی ہے۔ نبوت کے لطائف اتنے صاف، بلند اور روشن تر ہوتے ہیں کہ خدائی نشریئے ان میں اتنے صاف اور روشن تر ہوتے ہیں کہ شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ بہ خلاف اہل ولایت کے کہ ان کے لطائف رسالت کے

Marfat.com

لطائف کے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکتے، اور نشریہ الٰہی کو کامل طور پر نہیں لے سکتے۔ ویسے یہ لطائف بھی عامہ نشریئے نہیں ہوتے، بلکہ طبقاتی ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ نشریئے عوام پر اثرانداز ہونے کے لیے اتنی طاقت نہیں رکھتے جتنی نبوت کے نشریئے۔ نبوت پر جو نشریئے وارد ہوتے ہیں وہ عام اور طاقت سے بھرپور ہوتے ہیں، اور ان مٹ صورت کے نقوش اور اثرات ہوتے ہیں، اور ایک مدت دراز تک قائم رہتے ہیں جتنی کہ ان میں طاقت ہوتی ہے۔ لیکن آہستہ آہستہ وہ مدھم پڑ جاتے ہیں۔ اور جب زیادہ مدھم آواز کے نقوش ہو جاتے ہیں، تو دوسری صاف آواز اور نشریہ ان کی جگہ لے لیتا ہے۔ یعنی دوسری رسالت آکر اپنی آواز سے دنیا کو اعلامیہ دیتی ہے۔ موجودہ نشریہ قرآن حکیم، یہ آخری نشریہ الٰہی ہے، جو ہمیشہ کے لیے رہنمائی و ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ جس کی آواز بلند، تاثیر بلند، حکمت اور علمیت سے بھرپور۔ جب تک دنیا قائم ہے یہ قائم۔ اب جزوی نشریئے تو عام ہو سکتے ہیں لیکن کلی نشریئے، ختم اور بس۔ صحیح بات تو یہ ہے کہ ہر انسان اپنا اپنا ریڈیو رکھتا ہے۔ لیکن اس کے استعمال غلط ہیں۔ وہ صحیح رہنمائی کی آواز قبول نہیں کرتا۔ بلکہ مخالف سمتوں کی آوازوں کو قبول کر کے گمراہ ہو کر غلط پراپیگنڈا کرتا ہے۔ ویسے تو ہر قلبی نشریہ پر ہی روزمرہ کے کام کرتے ہیں۔ یہ وحدت مطلقہ کے مختلف (ضدات) ریڈیو سٹیشنوں کی آواز ہے۔ جو مختلف طبائع، مختلف مزاج انسانیت کو کائناتی کارخانہ چلانے کی ہدایت کرتا رہتا ہے اور کائنات کے ہر ذرہ کو اپنی ہدایت پر چلا رہا ہے، يُضِلّ بِهٖ مَن يَّشَآءُ وَيَهْدِىْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ اور فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ذہن محدود میں ہمیشہ کھٹکا رہتا ہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ نہ کسی سے پیدا ہو، اور نہ کوئی اس سے پیدا ہو، کیونکہ تمام کائنات کی پیدائش توالد و تناسل (جننے، جنانے) سے ہے۔ لیکن ذہن جب محدود سے غیر محدود کی طرف جاتا ہے تو صاف نظر آتا ہے کہ کیسے وہ وحدت مطلقہ جو سراسر

Marfat.com

طاقت ہی طاقت ہے پیدائش کی صفت سے اسے ملوث کیا جائے۔وہ تو اس صفت سے بہت بالاتر ہے۔ اللہ جانتا ہے۔اب یہ تصور ہی نہیں آتا کہ ہم کیوں کر "یلد و یولد" کے تصور میں اسے لا سکیں۔ ایسی وحدت مطلقہ کے تصور عامہ اور جاری و ساری کائنات پر نظر پڑتی ہے تو اس وحدت مطلقہ کی کثرت کا خیال ہی آنا ناممکن ہو جاتا ہے اور وحدت مطلقہ وحدت کے تصور سے بھرپور نظر آتی ہے۔اور پھر جب کوئی مماثلت ہی ذہن میں نہیں آسکتی وَلَمْ یَکُنْ لَہٗ کُفُوًا اَحَدٌ کی شان سامنے دکھائی دیتی ہے اور مشابہت و مماثلت کا جھگڑا ذہن میں ناممکن ہو جاتا ہے۔اس وحدت مطلقہ کا جب وحدت عامہ کے نظم و نسق میں کارفرما ہونے کا خیال ہے اور اس پر تصوری یا مشاہداتی تصور قائم ہوتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی مشیت مطلقہ ہماری مشیت میں کارفرما ہے وَمَا تَشَاءُ وْنَ اِلَّآ اَنْ یَشَاءَ اللّٰہ کی حقیقت بالکل تصوری شیشہ میں اتر آتی ہے اور کوئی شبہ تک نہیں رہتا اور کوئی شک آ ہی نہیں سکتا۔ غرض ہمارے تصور محدود کو جب غیر محدود تصور میں تبدیل کر دیا جائے، تو خدائے ذوالجلال اور اس کی صفات متضادہ بالکل عیاں ہو کر سامنے آجاتی ہیں اور کوئی شک و شبہ نہیں رہتا۔ ہاں تصور محدود کو تصور غیر محدود میں لانے کے لئے بھی کچھ کرنا کرانا پڑتا ہے اور کچھ مشقیں بھی بہم پہنچانی پڑتی ہیں، جس سے یہ محدود غیر محدود ہو جائے اور اسی کا نام اہل طریقت نے سلوک الی اللہ اور سیر فی اللہ رکھا ہے اور اسی کے لئے مجاہدات و ریاضات کرائے جاتے ہیں۔

جیسے دنیا کے ہر کام کے لئے کچھ اسباق، کچھ مشقیں کرائی جاتی ہیں، تاکہ اس تصور کی ماہیت اور علم مکمل کرایا جائے۔ گو یہ ناممکن ہے کہ کسی غیر مرئی چیز کو دیکھا جا سکے اور پہچانا جا سکے۔ لیکن اس غیر مرئی شے کے اثرات اور صفات تو دیکھے جا سکتے ہیں اور اس کے اثرات اور اس کے صفات سے اس کی وجودیت تو بہر حال تسلیم ہو جاتی ہے۔ بجلی دیکھی نہیں جا سکتی، لیکن اس کی تار کو چھوتا کوئی

Marfat.com

نہیں۔اور جب کوئی چھوتا ہے تو فوراً جھٹکا کھاتا ہے۔

دنیائے علم کا الحاد سے رجوع

بہر صورت دنیائے علم اب اس الحادی موڑ سے آگے بڑھ کر پھر واپس اپنی پرانی راہ پر آرہی ہے کہ "خدا ہے اور ضرور ہے، اور ایک دن ضرور ایسا آئے گا کہ یہ یقین کامل تر ہو کر عوام و خواص کی پریشانیوں کو ختم کرنے کا ایک سہارا ہو گا۔ انسانی سہارے جب ختم ہو جاتے ہیں تو اس وقت کے پریشان انسان کے سامنے خدائی تصور آجاتا ہے اور وہ تصور ہر پریشان حال کا سہارا بنتا ہے۔ دنیا اس تصور پاک سے زندہ ہے۔ ورنہ یہ تصور پاک اگر آج ہی اٹھ جائے تو دنیا اپنی پریشانیوں کی وجہ سے بہت جلد ختم ہو جائے۔

ذہن جب پست تھے تو یہی خیال پختہ ہو رہا تھا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ جب کچھ نہ ہو تو کچھ ہو جائے۔ چونکہ ذہن یہی کچھ مطالعہ کرتے تھے، اس سے آگے رسائی نہ تھی اور وہ ہر صورت مادہ کی قدامت کی طرف رجحان رکھتے تھے اور کسی ذہن میں یہ نہ آتا تھا کہ ایک وقت ایسا بھی تھا کہ کچھ نہ تھا۔ لیکن وحی کہتی تھی

هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِنَ الدَّهْرِلَمْ یَکُنْ شَیْئاً مَذْکُوْرًا کہ انسان تو تھا لیکن مذکور نہ تھا۔ ایسے ہی تمام اشیاء گو بالقوہ بھی موجود تھیں لیکن واقعتہً موجود نہ تھیں۔ انسانی ذہن اس کا قائل نہ تھا لیکن اب ذہن اس نظریئے سے بلند ہو گیا اور اس کی سمجھ میں آگیا ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ہمیشہ سے یہ کائنات حادثۃً چلی آتی ہو۔ یہ عقل تسلیم نہیں کرتی۔ بلکہ واقعی ایک وقت تھا جب کچھ نہ تھا۔ اور جب کچھ پیدا ہوا تو کیسے پیدا ہوا؟ اسی ایک قوت ایک طاقت نے یہ چولا بدلا۔ وہ غیر مرئی، صورت میں آنے کے لئے تیار ہو گئی اور پھر اپنے ظہور میں یہ رنگا رنگ صورت بنا رکھی ہے۔ یہ کائنات کچھ الگ الگ نہیں، بلکہ ایک ہستی

Marfat.com

مطلق کے ظہورات ہیں، جیسے ایک درخت کے شاخ اور پتے اور شگوفے اور پھل ہوتے ہیں۔ ایک درخت پر جب مختلف رنگ کے پھول پتے دکھائی دیتے ہیں تو اس درخت "وحدت مطلقہ" پر جو تمام کائنات کی جان ہے کیسے مختلف اشیاء کے مختلف ظہورات قائم نہ ہوں۔ جیسے پہلے یہ ذہن میں نہ آتا تھا کہ ایک وقت کچھ نہ تھا، اب یہ ذہن میں نہیں آتا کہ کس وقت کچھ تھا، بلکہ ایک غیر مرئی قوۃ وطاقت اپنی ہستی سے قائم تھی۔ اسی ہستی قائم نے جب جوش ظہور دکھایا تو اس ہستی سے یہ رنگ وبو کا عالم پیدا ہو گیا۔ اور یہ بھی بلند ذہن میں آچکا ہے کہ کسی وقت یہ ہستی مطلق اپنے پر وبال جھاڑ دے اور پھر وہ اکیلی قوۃ ہی رہ جائے، اور جیسے ظہور سے پہلے تھی ویسے ہی ظہور کے بعد ہو نکلے۔ اور پھر نئے سرے سے اپنے پر وبال نکالے، جیسے درخت کے پتے موسم خزاں کے آنے پر گر جاتے ہیں اور موسم بہار میں پھوٹنے لگتے ہیں۔ یہ معقول خیال روز بروز ترقی کر رہا ہے ورنہ سادہ ذہن اس تخیل سے پاک تھا۔ ہاں پاک نفوس اور اذہان بلند نے اپنے مشاہدات روحی اور عقلی سے یہ بات دیکھ پائی تھی اور الہامی صورت اور روحی کی آواز سے اپنی ہستی مطلقہ کی اذان دنیا کے کونے کونے میں دلوار کھی تھی اور اس آواز مستانہ سے ایک دنیا اس بات کی قائل ہو چکی تھی کہ ایک ہستی مطلقہ ہی اس کارخانہ عالم کی خالق ہے۔ اور وہی اس کارخانہ کی واحد مالک لاشریک ہے۔ جو چاہے کرے، رکھے یا فنا کرے۔

مغالطہ کی وجہ

مغالطہ کی صورت یہی ہوئی کہ پستی ذہن نے محدودیت نہیں چھوڑی تھی اور اس وحی والہامی صورت پر دھبے دینے کی کوشش میں ہر وقت مصروفیت رہی۔ گو سائنس کی ترقی نے اس قوت مطلقہ کا سراغ لگا لیا ہے، اب کچھ بھی انکار مطلق کی گنجائش نہیں رہی بلکہ آئندہ نسلوں میں یہ خیال ترقی کرتا جائیگا۔ ہاں یہ

Marfat.com

بات ضرور ہے کہ عقلی تخیل میں وہ طاقت نہیں ہوتی جو مشاہداتی قویٰ اور قوت میں ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اصحاب مشاہدات کے تصورات جس قدر محکم ہوتے ہیں اہل عقول کے دلائل اور تصورات پختگی میں بہت کم ہوتے ہیں جس کی وجہ سے رفتار عمل کم ہوتی چلی جاتی ہے اور تخیل کی بلندی بلند سے بلند ہوتی چلی جاتی ہے۔

فلاسفہ تنگ نظری

فلاسفہ کی تنگ نظری حیران کن ہے کہ انہوں نے خیال کرر کھا ہے، کہ ہمارے مسئلہ علت و معلول سے دنیائے وجود میں تصور الٰہ پیدا ہؤا ورنہ اس کے لئے کوئی اور ثبوت نہیں۔ اور اس علت و معلول کے سلسلہ کو بھی ختم کر دیا کہ مادہ فطر تاً سب کچھ ہے اور وہ خود ہی نشوو نما پاتا ہے اور خود ہی اپنی شکل و صورت بناتا ہے اور ساری کائنات اسی مادہ نے تیار کی۔ ایسی صورت میں کسی ہستی کا تصور کرنا بھی عبث اور فضول ہے، بلکہ انسانی عجز کے احساس کہتری نے ایک خیالی معیار تلاش کیا ہے جس پر کائنات کی بہترین پیدائش اپنا سہارا لے جو تمام کائنات کا خود سہارا ہے۔ لیکن اتنا کبھی نہ سوچا کہ اس نظریہ پست کا نتیجہ اور ثمرہ کیا ہو گا۔ کیا ایسے بودے نظریے سے پختگی عمل پیدا ہو سکتی ہے؟ آج تک کتنے نظریئے آئے اور گئے اور وقتی طور پر چند دن عمل آرا رہے، لیکن ایک مسلسل زندگی کا سہارا نہ بن سکے۔ آئے اور گئے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ خدائی تصور کی دنیا کب تک چلتی رہی اور چلے گی اور برابر ایک تہذیب و تمدن میں جکڑی چلی جاتی ہے، گو تغیرات اور انقلابات اس میں بھی آئے، لیکن اصل روح، عقیدۂ خدائی پر عمارت برابر قائم چلی آتی ہے۔ کبھی کچھ بد عقیدگی کی وجہ سے شکست وریخت ہوئی بھی تو معمار (نبی رسول) نے اسے پھر درست کر کے صاف ستھرا بنا دیا اور دنیا میں اپنی پوری چمک

Marfat.com

دمک سے اپنے تمدن، اپنی تہذیب، اور اپنے افکار کی بنا پر پہلے سے بھی خوب تر نظر آنے لگی۔ اور یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا کی صورت میں ہر طرف انسانی دنیا اس میں داخل ہو کر ایک بہت بڑی تعداد تہذیب و تمدن کی مالک ہو بیٹھی۔

ظہور حق

یہ کتنی ستم ظریفی ہے کہ مشاہدہ کو چھوڑ کر فلاسفہ نے استدلالی علم پر خدائی تصور کو قائم کرنے کا فخر حاصل کیا۔ اور دوسرے وقت وہ استدلال بھی ہاتھوں ہاتھ غائب ہو کر اس کے دفنانے کا خیال جم گیا۔ کسے یہ معلوم نہیں۔ اور کون ہے جو کچھ شعور باریک سے اور دنیا کی تاریخ سے واقف ہو اور ظہور کے لئے اسے کسی دلیل کی ضرورت ہو؟ جب وہ خود ظہور ہے ۔ "آفتاب آمد دلیل آفتاب" فطرت مقدسہ اپنی بے تابی جلوہ سے معمور ہو کر اپنے ظہور میں بے تاب ہو گئی اور اس نے اپنے پر و بال کھولے اور عالم رنگ و بو میں آگئی۔ لیکن جیسے یہ ظہور میں بے تاب تھی، اسی طرح وہ اپنی شناخت کے لئے بیتاب تھی، کہ کوئی اسے دیکھے اور پہچانے۔ حسن ہر گھڑی اپنی بے تابی اور اپنی رعنائی کی وجہ سے مجبور الفطرت ہے کہ اپنے جمال جہاں آراء سے کسی کو اپنے جمال میں محو کرے۔ وہ اپنے نقاب کی الٹ پلٹ سے ہر وقت جھانکتا ہے، کہ کوئی ہو جس پر اس کی نظر الفت پڑے اور وہ مسحور ہو کر اس کے قدموں میں گرے۔ یہی حال فطرت عالیہ کا تھا۔ ظہور کے بعد اس نے جلوہ نمائی شروع کی اور ہر تشنۂ نظر کے سامنے اپنے ظہورات میں سامنے آگئی۔ پھر ایک بار نہیں، سینکڑوں بار مشاہدی صورت میں جلوہ گر ہو کر اپنی قدرت کی زبان سے باتیں کرتی رہی ہے اور اپنے زندۂ جاوید احکام سناتی رہی، تاکہ جس کی آنکھ اور جس کا دل اس کی اس جلوہ آرائی کو پا نہیں سکا، وہ اس کے مطلوب، مخلص انسان کی آنکھ، زبان اور دست سے، قدرت کی زبان

Marfat.com

اور کردار (معجزے اور آثار) دیکھ کر میری ذات وحدہٗ لاشریک پر ایمان لائے۔

لَاشَرِیْکَ لَہٗ

دنیا میں ہر ایک چیز کا ثانی، مثیل اور نظیر دکھائی دینا تصور میں آسکتا ہے، لیکن اس ہستی مطلق کی سراسر نورانی مماثلت کیا؟ وہ تو کسی صورت میں صورت گر ہو ہی نہیں سکتی۔ اور کسی شکل میں متشکل جب نہیں ہو سکتی تو شریک کیسے، جس نے اس کی معرفت سے کچھ پایا، وہ خود پکار اٹھا، لاشریک لہٗ۔

کیا مادہ کائنات کی روح ہے؟

حیرانی ہے کہ مادہ پر اتنا ایمان کیونکر قائم ہو گیا کہ وہ خود کائنات کی روح ہے۔ مادہ بلند ہے یا نورِ مطلق؟ یہ تو آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ نور کیا کچھ کر رہا ہے اور مادہ کیا کچھ کر رہا ہے؟

اصل میں مغالطہ اس لئے ہوا ہے کہ مادی دنیا کی ہر مادی چیز کے اندر جو روح کار فرما ہے، اس کی روح کی پیدائش کا تصور مادہ پر پلٹا کھاتا نظر آتا ہے، کہ مادہ پہلے اور روح بعد۔ لیکن یہ نہیں دیکھتے اس مادہ کے اندر پہلے روح کی قوت آئی یا یہ مادہ پہلے آیا؟ مادہ کیسے آیا؟ پانی پر۔ اور پانی کیسے پیدا ہوا؟ ہوا سے۔ اور ہوا کیسے پیدا ہوئی؟ غرض آگے چلتے جایئے۔ آخر کار وہ ہی نور آخری کڑی پر نظر آئے گا جو تمام قوتوں کا مالک ہے جس نے پانی شفاف پر مادہ پیدا کیا اور مادہ پر مٹی آئی اور ہستی کائناتی دنیا کی جان بنی۔ لیکن یہ تو ہے صرف ہماری پیدائش پر ایک خیال۔ تمام کائنات جس کا ہمیں پتہ نہیں، کیا وہ بھی ہماری دنیاوی مادہ سے تیار ہوئی اور پھر اچھل کر آسمان پر کود گئی۔

ایک مثال

کسی ایک سلسلہ کوہ پر جایئے اور اس سلسلہ کی ایک ایک پہاڑی پر غور

Marfat.com

کیجئے۔ ایک دوسری سے نہیں ملتی، بناوٹ میں ،رنگ میں۔مادہ میں اور اونچائی میں، غرض جتنا گہرا مطالعہ ہو گا، اتنا اختلاف ہو گا۔ آخر یہ سلسلہ ایک ہی قطعہ سے اٹھا، جس کی ایک زمین، ایک آب و ہوا اور ایک گرمی آفتاب۔ پھر یہ اختلاف کیسے ؟ ہو سکتا ہے کہ بعض اسباب نظر آجاویں جو اس کے اختلاف کے ذرائع اور وسائل ہوئے ہوں۔ لیکن ان ذرائع کے اختلاف پر آپ کیا رائے کر قائم کر سکتے ہیں۔ مٹی بھی ایک ہوتی ہے، درخت ایک زمین پر ہوتا ہے، ایک پانی سے آبپاشی ہوتی ہے، لیکن شکل و صورت ہی نہیں، لذت وذائقہ میں بھی فرق آجاتا ہے۔ خود زبان وحی اس کو اپنی قدرت فرماتے ہیں۔ اور یہ قدرت اللہ خود ذات عزاسمہ، کے نام سے معروف و مشہور ہے۔ آپ دنیا میں جتنی نظر دوڑایئے، یہی صورت حال نظر آئے گی۔

معرفتِ خاصہ

معرفت خاصہ جو خود ذاتِ اقدس اپنی شناسائی کے لئے اپنے بندوں کو کراتی ہے، وہ کوئی اکاد کا تک محدود نہیں۔ لاکھوں انفاسِ قدسیہ اس دولتِ معرفت سے مشرف ہوئے اور پھر ان کے ذریعہ اور تقرّب سے کروڑوں انسان معرفت عامہ کی دولت سے شرفیاب ہوئے اور معرفت خاصہ کے حاشیہ بردار ہو کر فلاحِ ابدی کی دولت سے سرفراز ہوئے۔ اور یہ نہیں کہ سلسلہ ختم ہو گیا، بلکہ اس دور ظلمت میں بھی برابر چل رہا ہے اور مشاہدہ کی صورت میں معرفت کے مدارج اور قرب ووصال کی عزت سے بندے سرفراز ہو رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج مذہب دنیا میں زندہ ہے اور دین الٰہی کی اقدار دنیا میں دیکھی جاتی ہیں۔ یاد رکھئے اور پھر یاد رکھئے۔ عقلی دلائل یہ کام نہیں کر سکتے۔ یہ مشاہدہ کی قوت ہے جو برابر چل رہی ہے اور دنیا کے لئے ذات اقدس پر ایمان وایقان کا باعث ہو رہی ہے۔

Marfat.com

فلاسفہ کی بے تکی بات

بڑے بڑے فلاسفروں کا یہ کہنا کہ عضوی کمی بیشی اور اعصابی تشنج کی وجہ سے یہ خدائی تصور جو پیدا ہوا، اس کی کوئی حقیقت نہیں! لیکن ایسے لوگوں نے اپنی دماغی حماقت پر دھیان نہیں دیا کہ اس شخصیت کے اندر کون سا جذبہ تھا، جس کے ماتحت ایک دنیا بھیڑ بکریوں کی طرح چلنے لگی اور اس کی ایک ایک ادا پر قربان ہونے لگی اور اس کے ارشاد پر عمل کرنا اپنا فریضۂ فطرت خیال کرنے لگی زندگی اور موت دونوں اس کے ساتھ وابستہ کر دیئے اور ایک جماعت کی صورت میں ایک امت قائم ہو گئی اور ایک عالم کی تسخیر کا باعث ہوئی۔ اور تسخیر ملکی ہی نہیں ہوئی، بلکہ تہذیبی، تمدنی اور افکاری، غرض قومیں اپنا دین و مذہب، اپنی سیاست، اپنے، افکار قومی اور، خیال تہذیبی چھوڑ کر اس امت میں جذب ہونے لگیں۔ یہاں تک کہ دنیا میں ایک بڑا رشتہ قائم ہو گیا اور ساری دنیا ایک بھائی چارہ میں محبت و اخلاص کی بنیاد پر ہنستی کھیلتی نظر آئی اور ہر بے دینی خواہ ظاہری ہو خواہ باطنی کی تخریب کے لئے سر بکف ہو گئی۔ بخلاف اس لادینی دماغ کے، کہ کئی فلاسفر آئے، کئی عقلا نے اپنے تنظیمی منصوبے قائم کئے، کئی سلطنتیں قائم ہوئیں، اور کئی خاندان برسر اقتدار آئے، لیکن آج ان کا، اور ان کے افکار کا اور ان کی تہذیب کا عملاً کوئی نشان نہیں۔ لیکن اس مجنونانہ تہذیب و تمدن اور افکار عالیہ و اخلاقِ فاضلہ کے لئے اس کے محافظ بہت کچھ کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ دیکھئے عیسائیت میں کیا کچھ اصل عقیدت کا رہ گیا۔ خود ذات قدرت کو مجروح کیا جا رہا ہے۔ لیکن اس حلقۂ عیسائیت سے نکلنے کے لئے کوئی عیسائی بھی تیار نہیں اور یہ عیسائیت کتنی پھیلی اور کہاں کہاں پھیلی وہ دنیا جانتی ہے۔

ایسے ہی اسلامی تہذیب اور اس مذہبی تہذیب نے باوجود ایک کشمکش

Marfat.com

سائنسی اور علمی کے، اپنی ہستی قائم رکھنے کے لئے اپنے اندر کئی مبلغ اور کئی محافظ پیدا کئے ہوئے ہیں۔ کیا ابراہیمؑ، موسیٰؑ، محمد مصطفیٰؐ کے لئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ فوت ہو گئے! حاشاو کلا۔ بلکہ اب بھی وہ زندہ ہیں ہر سانس کے ساتھ ان کی زندگی ابھر رہی ہے اور زندگی کا ہر لمحہ ان کو زندہ رکھنے کے لئے کوشاں۔ آخر کیوں؟ کسی نے خوب کہا ؎

تیری دوستی سے پہلے مجھے کون جانتا تھا
تیرے عشق نے بنایا، میری زندگی فسانہ

معرفتِ تامہ

قدرتِ مطلقہ اور وحدتِ مطلقہ نے اپنی شناسائی اور شناخت کے لئے وہ تمام ذرائع اختیار فرمائے، جس سے شناخت کی تکمیل ہوتی ہے۔ اپنی جلوہ نمائی کے جلوے آنکھوں کے سامنے پیش کئے، اور اپنی آواز پر کیف اور پر جلال سے انسانی کانوں کی قوتِ سامعہ کو سرفراز فرمایا، اور اپنی وسیع قوت وطاقت کے ایسے پر جلال نمونے دکھائے کہ انسانی عقل ہمیشہ کیلئے دنگ رہ گئی۔ ایک لمحہ میں ایک آگ کا جنگل گلزار بنایا۔ ایک سوکھی لڑکی دے کر موسیٰؑ سے کہا کہ دریا کے پاٹ میں مار کر دو ٹکڑے کر دو۔ چنانچہ پانی کے تودے الگ ہو گئے۔ پھر اسی سے پتھر سے پانی نکلوانے کی قدرت دکھائی۔ پھر اسی سے سانپ بنا کر جادو کے سانپوں کو نگلوا دیا۔ پھر وہی سوٹی کی سوٹی، یعنی لاٹھی۔ موسیٰؑ سے باتیں کیں اور کھلی کتاب کے الواح دیئے۔ عیسیٰؑ نے زندگی کا راز دکھایا، اور مردوں کو "باذن اللہ" کہہ کر کھڑا کر دیا۔ ابراہیمؑ کے اطمینان کے لئے کوفتہ گوشت سے پرند اڑائے، اور محمد رسول اللہ ﷺ کو زمین و آسمان کی سیر کرا کر اپنے تخت، عرش مجید پر جا بیٹھایا۔ غرض ایک نہیں، اپنے علوم و حکمت کے دروازے اپنے بندوں پر کھول دیئے اور

Marfat.com

ایک لاکھ سے زیادہ انسان وہ کچھ کر گزرے جو سراسر معجزاتِ انسانی تھے۔ پھر اس پر اکتفا نہیں کی، ہر اس انسان کو جس کو اپنے لئے چن لیا وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ اس پر وہ راز جہاں افشاء کئے جو عقل انسانی سے بہت بلند تھے۔ اور پھر یہ نہیں کہ آج یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ بلکہ یہ سنت اللہ جاری ہے۔ کمی آئی تو انسانی توجہ کی آئی کہ اس کی طرف انسان کی توجہ کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ خود سوچئے جب کسی کی طرف توجہ نہیں رہتی، تو پھر محبت نہ ہونے کی وجہ سے یک دل ہونا ناممکن ہو جاتا ہے اور اس وقت ظہور قدرت کی جلوہ آرائی کیسے ممکن ہو سکتی ہے؟ اگر آج بھی انسان اس کی طرف توجہ پیدا کرتے تو وہی گلزار اب بھی آتش سے پیدا کیا جا سکتا ہے ؎

آج بھی ہو جو ابراہیمؑ سا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

وجودِ باری تعالیٰ کے دلائل

امیدوں کا سہارا

سب سے بڑی دلیل ہستی مطلقہ کی میرے نزدیک وہ سہارا ہے۔ جب کوئی انسان بے سہارا ہو جاتا ہے اور دنیا کے سہارے اس سے الگ ہو جاتے ہیں تو وہ بے سہارا انسان جب اپنی ذات اور شعور ذات کی طرف سے مایوس ہو جاتا ہے تو ایک اور ذات سہارے کے لئے آموجود ہوتی ہے۔ یہ احساس کسی تصور پیدا کرنے سے نہیں ہوتا، بلکہ یہ احساس اور شعور خود وجدانِ انسانی میں یکدم قائم ہو جاتا ہے اور اس کی پریشانیوں کو دور کرنے میں کامل کامیاب نہ بھی ہو تو بہت کچھ پریشانی کم ہو جاتی ہے اور امید کی جھلک سامنے آجاتی ہے، جبکہ پہلے سراسر یاس

Marfat.com

تھا۔ اور یہ سہارا اس وقت تک برابر ذاتِ انسانی کے ساتھ شریک رہتا ہے جب تک انسان یاس سے نکل کر آس وامید کے دروازے تک نہیں پہنچ لیتا۔ پھر بھی وہ تو برابر ذات کے اندر ہوتا ہے، لیکن دوسرے سہاروں کے آجانے سے اس کا احساس اور شعور نہیں رہتا۔ لیکن تکلیف و مصیبت میں جب انسان بیچارہ ہو جاتا ہے ،وہ چارہ ساز اپنے سہارے لے کر آپہنچتا ہے۔

خطاب دلپذیر

دوسری چیز جو اس کی ذات کے مشاہدہ سے بڑھ کر ہے وہ ذات حقہ کا وہ نشرِ یہ عام ہے جو سراسر اصلاح اور فلاح انسانی ہے، اور جس کے سننے سے انسان کا ضمیر خود ہستی مطلق کی گواہی دینے لگتا ہے۔ اس نشرئیہ کا خطاب، تکلم اور طرز بیان ایسا دلکش اور دلپذیر ہے کہ ذاتِ حقہ کی بولتی چالتی آواز معلوم ہوتی ہے، اور اس کی ذات کے شواہد سامنے آجاتے ہیں۔ نمونتاً میں صرف ایک ٹکڑا پیش کرتا ہوں اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ نشرئیہ (قرآن حکیم) کس نشہ (مستی) سے بھرا ہوا ہے۔ اَوَلَمْ یَرَی الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنَاہُ مِنْ نُطْفَۃٍ فَاِذَا ھُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ۔ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّ نَسِیَ خَلْقَہٗ ۔ قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَھِیَ رَمِیْمٌ ۝ کس فصاحت و بلاغت سے انسانی فطرت کی حقیقت کھول دی ہے اور بلندی فکر سے اپنی ہستی کا اظہار فرمایا۔ ایک طرف پیدائش انسانی کی حقیقت نطفہ سے دکھائی۔ دوسری طرف اس کی جبلت فطرتی "فاذا ہو خصیم مبین" کا تصور پیش کر دیا۔ سبحان اللہ اس سے بڑھ کر اس کی ہستی مطلقہ کی کیا دلیل ہو سکتی ہے؟ پھر ساتھ ہی کہہ دیا وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّ نَسِیَ خَلْقَہٗ۔ کس پر لطف انداز سے اپنی ہستی کا ثبوت دیا جا رہا ہے۔ ان فقروں کے بعد کون سا دِل ہے جو اس کی ہستی مطلقہ کا اقرار نہ کرے اور اس سے فرار کی راہ لے۔

Marfat.com

تصرف کلی

پھر آخر میں جب فرماتے ہیں سُبْحَانَ الّذِی بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلّ شَیْءٍ اب کس فلاسفر کی ہمت ہے کہ حقیقت کو ٹھکرائے۔ یہ "ملکوت کل شی کا تصوُر کسی دوسری ہستی میں تصور کیا جاسکتا ہے؟

اس کی ہستی میں مطلق تصرف کلی۔ یہ انسانی شعور بول رہا ہے یا انسان سے کوئی بلند ہستی کہہ رہی ہے؟ ایک انسان کی کیا مجال کہ ایسے الفاظ اپنے منہ سے بول سکے۔ موقعہ پر کچھ آیات پیش کرنے کا خیال ہے، جس سے یہ مطلب زیادہ واضح ہو جائے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّوْرَ۔ ثُمَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْ بِرَبِّھِمْ یَعْدِلُوْنَ.

اس اللہ کی تعریف جس نے زمین وآسمان پیدا کیا، اور اندھیرے بنائے اور روشنی بنائی۔ پھر بھی کافر لوگ اپنے پروردگا، کے ساتھ اوروں کو برابر بناتے ہیں۔ یعنی شریک کار بناتے ہیں۔

غور فرمائیے! خود ہی اپنی ذات کی حمد فرماتے ہیں اس بات پر کہ آسمان و زمین کو پیدا فرمایا اور اندھیرا اور روشنی بنائی۔ ظاہراً تو کوئی اچنبھا زمین و آسمان کا پیدا کرنا نہیں۔ لیکن ذرا غور کیا جائے تو سمجھ میں آتا ہے کہ کیسے پیدا کیا، کہاں سے یہ مادہ آیا۔ کیسے آسمان کی بلندی اور زمین کی پستی کا توازن قائم فرمایا، یہ فطری پیدائش کیوں کر نمودار ہوئی، وقت کتنا صرف ہوا اور کیسے ہوا بڑے غور کا مقام ہے۔ عقلمند سے عقلمند آدمی بھی اس گتھی کو سلجھا نہیں سکتا۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ اس

Marfat.com

پیدائش زمین و آسمان سے پہلے کتنے اور کیسے مبادی تھے جن سے یہ علم کائنات بنا جو کروڑوں عالموں کا باعث ایجاد ہوا۔ یہ سب سے بڑی خلقت و پیدائش ہے، جس سے کائنات پیدا ہوئی۔ اس کے بعد اندھیرے اور روشنی کا اہتمام ہوا۔ بلکہ روشنی اور اندھیرے سے پہلے کچھ وہ حالت تھی جو فہم میں نہیں آسکتی۔ اس حالت کی ترقی کو دو حصوں میں تقسیم فرمادیا۔ ایک روشنی دوسرا اندھیرا یا تاریکی جیسے ایک زمین دوسرا آسمان، باوجود تقابل، دونوں حقیقیں الگ الگ بالکل مختلف ہیں۔ لیکن کیا کہنا ان لوگوں کا جن پر حجاب ہے وہ پھر بھی اس کے برابر اور اشیاء کو خیال کرتے ہیں۔ کتنے فصیحانہ لب و لہجہ میں کفار کے کفر کی جبلت کی دھجیاں اڑائی گئیں۔ جب سب کچھ وہ پیدا فرمانے والے ہیں تو اس کے کفر کی کیا حقیقت اور کیا حالت۔ یہ معجزہ قرآن حکیم ہے کہ اس خالق ارض و سماء کی قدرتی زبان کے سوا، کوئی مقابل آواز نہیں ہو سکتی۔

نوٹ :۔ جس طرح زمین و آسمان کے سوا کائنات کی کوئی چیز پیدا نہیں ہو سکتی، اسی طرح اندھیرے اور روشنی کے سوا کوئی زندگی پیدا نہیں ہو سکتی اور رہ نہیں سکتی۔ اندھیرا ہو تا یا روشنی، دونوں صورتوں میں کوئی ذی روح چیز نہ ہو سکتی، نہ جی سکتی۔

۲۔ هُوَالذِیْ خَلَقَکُمْ مِنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰی اَجَلًا وَاَجَلٌ مُسَمًّی عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ

۳۔ وَهُوَاللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَعْلَمُ سِرَّکُمْ وَجَهْرَکُمْ وَیَعْلَمُ مَاتَکْسِبُوْنَ

۴۔ وَمَاتَاْتِیْهِمْ مِنْ اٰیَةٍ مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا کَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِیْنَ

۲۔ وہی تو ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر (مرنے کا) ایک وقت اور پھر ایک مدت اس کے ہاں مقرر ہے۔ پھر بھی

Marfat.com

وقیرہ

تم (اے کافرو!) خدا کے بارے شک کرتے ہو"۔

۳۔ آسمان اور زمین میں وہی (ایک) خدا ہے۔ تمہاری پوشیدہ اور ظاہر باتیں جانتا ہے اور جو تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔

۴۔ اور خدا کی نشانیوں سے کوئی نشانی ان لوگوں کے سامنے نہیں آتی۔ مگر یہ اس سے منہ پھیرتے ہیں۔

نمبر ۱۔ میں مظاہر قدرت میں سے زمین و آسمان کا ذکر فرمایا، جس سے بڑھ کر کوئی وسعت نہیں ہو سکتی، نہ ذہن میں آسکتی ہے۔

نمبر ۲۔ میں انسان کی حقیقتِ پیدائش بیان فرمائی۔ انسان کا جو درجہ کائنات میں ہے۔ وہ خود انسان بھی جانتا ہے اور کائنات کی ہر چیز جانتی ہے۔ جیسے انسان چاہتا ہے، اسی طرح تمام کائنات اس کی مرضی کے مطابق چلتی ہے۔ جاندار اور غیر جاندار کون سی چیز ہے، جس سے اس نے کام نہیں لیا۔ حتی کہ زمین و آسمان اور ستاروں پر اپنے کمند ڈال کر اس کو مسخر کر رہا ہے۔ قرآن حکیم میں خود فرماتے ہیں وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ وَ سَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لیکن خود کیا ہے مٹی سے بنایا گیا۔ کیسی مٹی؟ سڑی مری مٹی۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَاءٍ مَسْنُوْنٍ "ہم نے انسان کو کھنکھناتے، سڑے ہوئے گارے سے بنایا"

نصف صدی سے پیشتر کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آتا تھا کہ انسان مٹی سے پیدا ہوا گو زبان وحی یہی فرماتی چلی آئی۔ لیکن جب تک اصل حقیقت نہ کھلی تھی، ایک شرعی زبان تسلیم کرنے کے سوا اندر تیقن نہیں بیٹھتا تھا۔ لیکن اب سائنس کی تحقیقات مکمل ہونے پر یہ راز ایک کھلی حقیقت ہو گئی ہے، کہ تمام پیدائش، کیا جانور، کیا انسان سب مٹی سے پیدا ہوئے، جیسے، کیڑے مکوڑے مٹی سے پیدا ہوتے ہیں۔ پھر یہ نہیں کہ ہمیشہ کے لئے زندہ رہیں گے جیسے خود زمین

Marfat.com

قائم ہے۔ وقت مقررہ پر ختم ہو جائیں گے لیکن زمین و آسمان۔ اندھیرے اور روشنی کو دیکھنے کے بعد اور اپنی ذات کی حقیقت معلوم کرنے کے بعد بھی اس انسان کو یقین نہیں آتا۔ کیا الفاظ فرمائے ثُمّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْن، پھر بھی تم شک کرتے ہو کہ خدا ہے یا نہیں۔ اب آیت نمبر ۳ کو ملاحظہ فرمایئے، وہ ان آیات سے بڑھ کر ایک اور حقیقت واضح کرنے کے لئے فرمائی گئی۔

وہ اللہ تو وہی ہے جو زمین و آسمان میں ہے اور تمہارے پوشیدہ اور ظاہر کو جانتا ہے، اور جو کچھ تم کرتے ہو وہ بھی جانتا ہے۔

یہ پہلے تخلیقی مظاہر سے ایک درجہ اور بلند ہے کہ ذات اقدس زمین و آسمان کی تمام وسعت کے اندر جلوہ گر ہے۔ اور وہ انسان کے ظاہری اور باطنی رازوں کو جانتا ہے اور ہر عمل کی حقیقت پہچانتا ہے۔ دیکھئے! اب یہ تصور پاک کتنا بلند ہے اور یہ ذاتِ اقدس کیا مثل رکھتی ہے؟ ظاہر بھی، لیکن باطنا کائنات کے ذرّے ذرّے کو گھیرے ہوئے ہے۔

باوجود اس کے، پھر کوئی نشانِ الٰہی ان کے سامنے آجائے تو وہ توجہ کرنے کی جگہ توجہ پھیر لیتے ہیں اور دھیان تک نہیں دیتے۔ پہلے غائبانہ طور پر کفار کو مختص فرمایا کہ بَربّھم یَعْدِلُونْ پھر غائب سے خطاب پر اتر آئے اور فرمایا ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ اَس کے بعد نہ غائب مختص ہے اور نہ مخاطب بلکہ عام انسانیت کی طرف متوجہ ہو گئے اِلَّا کَانُوْا عَنْھَا مُعْرِضِیْنَ فرمایا۔ دیکھئے! کس طرح فصیحانہ طریقہ سے انسانی اعراض عن التوحید کو پیش فرمایا۔

ہم چند اور آیات اسی سورۃ مائدہ سے پیش کرتے ہیں تاکہ قدرتِ مطلقہ کا غیر مثالی تصور زیادہ واضح ہو جائے۔

اِنَّ اللّٰہَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی وَیُخْرِجُ الْحَیَّ
مِنَ الْمَیِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ

Marfat.com

ذَالِکُمُ اللّٰہُ فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ

ترجمہ :۔(پختہ بات ہے۔ خدا ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑ تا (ان سے درخت وغیرہ) اگاتا ہے اور جاندار کو بے جان سے نکالتا ہے اور بے جان کا جاندار سے نکالنے والا ہے۔ یہی خدا ہے پھر تم کہاں بہکے پھرتے ہو۔"

اس آیت سے اچھی طرح واضح فرمادیا کہ دانہ اور گٹھلی کی وہ قوت جو اس کے نمود و نمو کا باعث ہوتی ہے اور جو قدرت متصرفہ زندہ سے مردہ نکالتی ہے اور مردہ سے زندہ، وہی اللہ ہے۔ ایسے حال میں تم کیوں مثالی صورت کی تلاش کے لئے پھرتے ہو۔ عام ذہنوں میں تو اللہ تعالیٰ کی صورت کا انسانی نقشہ بیٹھا ہوا ہے کیونکہ انسان جس چیز کو نہیں دیکھتا اور اس کی ہستی کا یقین ہوتا ہے تو پھر خالی طور پر اسے اپنے فکر میں گھڑتا ہے اور اسے اپنی خیالی صورت سے شناسائی دیتا ہے۔

مثلاً سوت کاتنے کی مشین یا کرگھے۔ جب کوئی ایسی مشینوں کی چکت اور کارگزاری کا حال سنتا ہے تو پھر اس کی صورت بناتا ہے۔ جب ہم نے ریل گاڑی نہیں دیکھی تھی اور سنی تھی تو بچپن کا زمانہ تھا۔ اس کو خیالی صورت دے کر اس کی شناسائی بنائی جاتی تھی۔ لیکن انجن، گاڑی دیکھے تو وہ بالکل اس تصور خیالی سے الگ بات اور صورت تھی، بلکہ ذہن میں اس کے تصور کوئی نقشہ کبھی نہ آیا تھا۔ بعینہ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی بابت انسان اپنے تصور میں ایک خیالی صورت پیدا کرتا رہتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے خاص اور پاک بندوں کے ذریعہ اپنی کلام سے ان تمام خیالوں اور تصوروں کو مٹانے کے لئے اپنی صفات کاملہ کے بیان سے اپنی بے مثلی کا اظہار فرماتا ہے کہ جو کچھ تمہارے وہم و گمان میں ہے غلط ہے۔ وہ تو وہ ہے جو دکھائی نہیں دیتا۔ اب غور فرماویں وہ قوت جو دانے کو پھاڑتی ہے یا گٹھلی کو چیرتی ہے وہ کسی صورت دکھائی دے سکتی ہے؟ وہ لطیف در لطیف جوہر ہے، جو آج تک

Marfat.com

کوئی دیکھ نہ سکا۔ اس کے علاوہ یہ بھی اس آیت سے ذہن میں بٹھایا گیا کہ تم تو خیال کرتے ہو کہ پانی، مٹی نے اسے اگایا۔ یہ غلط اور سراسر غلط ہے۔ اس کے اندر ہماری قدرتِ کاملہ کی کار فرمائی ہے۔ لیکن سنت اللہ (فطرتی قانون) کی وجہ سے ایک عادت مستمرہ (جاریہ) ہو چکی ہے جس کی وجہ ایک بڑے سے بڑے مشاہد کی توجہ بھی اس طرف نہیں پھر سکتی۔

جلوہ آرائیاں

ہر صورت ہر آئینہ پوری قوت کے ساتھ اس کی مثالی صورت سے اسے مبرا کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صورت ہو ہی نہیں سکتی۔ بجلی کی جب نہیں، تو اللہ تعالیٰ کی صورت کیسے قرار دی جا سکتی ہے۔ بجلی کا جیسے ظہور ہے، ویسے ہی ظہور رب العالمین کا بھی ہے، جو ہر آن ہر گھڑی اپنے ظہور کی جلوہ آرائیوں کے ساتھ ظاہر و باہر ہے، جس سے کسی کو انکار کی مجال نہیں۔ اب جلوہ آرائیوں کا ذکر شروع ہو جاتا ہے۔

فَالِقُ الْاِصْبَاحِ وہی (رات کے اندھیرے سے) صبح کی روشنی پھاڑ نکالتا ہے۔
وَجَعَلَ الَّیْلَ سَکَنًا اسی نے رات کو (موجب) آرام ٹھیرایا۔
وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا۔ اور سورج اور چاند کو (ذرائع) شمار بنایا
ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ (یہ خدا) کے مقرر کئے، ہوئے اندازے ہیں جو غالب اور علم والا ہے۔

پہلی آیت اور اس آیت میں قدرِ اشتراک ہے کہ وہاں "فالق الحب والنویٰ" (دانہ اور گٹھلی کا توڑنے والا) کے الفاظ ہیں اور یہاں "فالق الاصباح" صبح کو تاریکی سے توڑنے والا۔

غور کیا جائے! کائنات کا نمود انہیں دو صفتوں سے ہے۔ پہلی صفت

Marfat.com

ظاہرہ نہ تھی۔ لیکن دانہ گٹھلی ہمارے روزمرّہ کے استعمال کی تھی لیکن پھوٹنا ہم دیکھ نہ سکتے تھے۔ کیونکہ اس صفت کا ظہور اسی وقت ہے جب دانہ گٹھلی زمین میں ہو۔ لیکن دوسری صفت ہماری قدرت سے بالکل باہر ہے۔ ویسے عیاں ہے ہر وقت ہم عیاناً اسے روزمرّہ دیکھتے ہیں کہ کیسے تاریکی سے نور پیدا ہوا یعنی پو پھوٹی اور تھوڑے وقت میں کائنات میں اجالا ہو گیا۔ یہاں ذرائع سے بحث نہیں کی گئی۔ یعنی سورج وغیرہ کا ذکر نہیں لایا گیا لیکن ساتھ ہی پھر یہ بیان دے دیا گیا۔

وجَعَلَ اللَّیْلَ سَکَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا۔

رات کو سکون بنایا، سورج اور چاند کو اندازہ۔

دیکھئے سورج چاند کے سینکڑوں اور فوائد بھی ہیں۔ صرف ایک بڑے فائدے کو بیان کیا گیا۔ جس پر مدار کائنات ہے۔ یہ اندازہ حقیقتاً تمام کائنات کی حیات ہے۔ موسم اسی سے تبدیل ہوتے ہیں اور موسم کی تبدیلی کے ساتھ تمام کائنات کی تبدیلی ہو جاتی ہے۔ پہلی آیۃ میں ذَلِکُمُ اللّٰہ (وہ اللہ) اور یہاں ذَالِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ فرمایا گیا۔ اس اللہ عزیز و حکیم کی تقدیر (اندازہ) یہی ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ یہ صفاتِ عالیہ صفات بھی ٹھہرائی جاویں، لیکن ذَالِکُمَ اللّٰہ۔ ذَالِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ کس کی غمازی کرتے ہیں۔ اس وحدہٗ لاشریک لہ کی ذات کی یا صفات کی۔

ذات سے صفات جدا ہوتی ہیں، لیکن صفات ربی کچھ ایسی ہیں کہ ان کو جدا دیکھا جاوے تو معاملہ ہی ختم ہوتا نظر آتا ہے۔ صفات بلاشک ذات کے حجاب ہیں۔ لیکن یہ حجاب اٹھائے نہیں جا سکتے بلکہ ظہور ذات کا واحد ذریعہ ہیں۔ ان کے بغیر ذات خود بخود کلی طور پر محجوب ہو جاتی ہے اور اس کے ظہور کا ذریعہ مشاہدی یا غیر مشاہدی کلی طور پر نہیں رہتا۔

عالم وجود کی ابتدائی صفات بیان کرنے کے بعد ستاروں کا ذکر فرماتے

Marfat.com

ہیں کہ بحر و بر اور اندھیرے کے اندر تمہاری رہنمائی کے لئے اسی ذات نے ستارے بنائے۔ پھر مینہ کا برسانا وغیرہ جو انسانی حدود سے باہر ہے اور جو صفاتِ انسانی ہستی کے مقصدات سے باہر ہیں۔ ازاں بعد آخری آیۃ اس توحید کے بارے میں فرماتے ہیں جو ہمارے مقصد کی زیادہ وضاحت کریگی۔

بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ اَنّٰی یَکُوْنُ لَہٗ وَلَدٌ وَّلَمْ یَکُنْ لَّہٗ صَاحِبَۃٌ ۝

(ترجمہ) "وہی آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے، اوسکی اولاد کہاں ہے، جبکہ اس کی بیوی ہی نہیں"

کیا خوب اپنی صفت وحدانیت بیان فرمائی اور کیسی طرز سے کہ وہ پیدا کنندہ زمین و آسمان جو بے جور و، بے مثل، بے مثال ہو۔ اس کی اولاد کا تصور کیسے پیدا ہو سکتا ہے؟

خَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ تمام اشیا کو اس نے پیدا کیا ہو وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ اور وہ ہر چیز سے واقف ہے..... یہ تین صفات ایسے ہیں کہ خود بخود بے مثل و بے مثال ہونے کے لئے کافی ہیں۔ ذات وحدہٗ لاشریک کے سوا ان صفات عالیہ کو کسی کی طرف نہ آج تک کسی نے منسوب کیا اور نہ کی جائیں گی، خواہ یہ دنیا کتنے بھی پلٹے کھائے۔ ابداع، خلق، علم کامل اس کی وحدت بیمثل و بے مثال کے لئے کافی ہیں۔ ذات کا ظہور ذاتی طور پر نہ ہو اور صفات کے ذریعہ ہو تو شرکت کا وہم و گمان بھی اٹھ جاتا ہے۔ پھر ان صفات کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں۔ ذَالِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ۔ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ ۔ اس کے سوا کوئی خدا نہیں (بھلا کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ) ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ (ایسی صورت میں کسی دوسرے کا تصورّ پیدا نہیں ہو سکتا۔ فَاعْبُدُوْہُ تو اس کی عبادت کرو۔ (کیونکہ) وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیْلٌ

Marfat.com

وہ ہر چیز کا نگران ہے۔ بے مثل اور بے مثالی کی بڑی دلیل یہ ہے۔

لَا تُدرِکُہُ الْاَبْصَارُ وَھُوَیُدْرِکُ الْاَبْصَارَ۔ وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ۔

"(وہ ایسا ہے) کہ نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔ وہ نگاہوں کا ادراک کرتا ہے اور وہ بھید جاننے والا خبر دار ہے"۔

بے مثل و بے مثال ذاتِ اقدس کا یہ کتنا واضح اور روشن فیصلہ ہے کہ وہ دکھائی نہیں دیتا۔ "اللطیف الخبیر" کا ترجمہ جو کیا گیا ہے ہمیں اتنا پسند نہیں۔ بلکہ وہ بہت ہی لطیف اور پھر باوجود لطیف ہونے کے ہر چیز سے خبر دار اور واقف بھی ہے۔ اس کی لطافت ہی اس کی ہر چیز سے باخبر ہونے کی دلیل ہے۔ نورِ بصارت کی لطافت ہی ہر چیز کو پار ہی ہے اور عقل کی لطافت افکار عالم پر حاوی ہے۔

روشن مشاہدے

اس آیت کے پڑھنے کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے تو پھر اس کی معرفت کیسی؟ اس کے رسول، اس کے نبی اور اس کے ولی کیسے؟ پھر شناسائی کے بیانات اور شواہد پیش کرتے ہیں تو فرمایا جاتا ہے قَدْ جَاءَکُمْ بَصَائِرُ مِنْ رَّبِّکُمْ (اے محمدؐ ان سے کہہ دو) کہ تمہارے (پاس) پروردگار کی طرف سے روشن مشاہدے آچکے ہیں فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِہٖ وَمَنْ عَمِیَ فَعَلَیْھَا وَمَا اَنَا عَلَیْکُمْ بِحَفِیْظٍ..... تو جس نے آنکھ کھول کر دیکھا، اس نے اپنا بھلا کیا اور جو اندھا رہا اس نے اپنا برا کیا۔ میں تمہارا نگہبان اور محافظ نہیں ہوں۔ بصائر کی انتہا نہیں، طرق الوصول الی اللہ تعالیٰ بعد دا لنفوس" ایک عام قول صوفیوں کا ہے۔ ہر پیغمبر کی شناسائی کا طریقہ الگ ہے۔ نوح علیہ السلام نے جس طریقہ سے شناسائی اور معرفت حاصل کی یا انہیں معرفت دی گئی وہ طریقہ ابراہیم

Marfat.com

علیہ السلام کا نہیں۔ ایسے ہی عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے طرق مشاہدہ الگ الگ ہیں۔ وہ قاب قوسین تک پہنچ گئے۔ لیکن تمام طرق سے ذات کی شناسائی کے لئے اپنی جلوہ آرائی سے شناسائی دی گئی اور ذاتِ حق پس پردۂ جلوہ رہی۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب رب غفور کو دیکھنے کی طلب فرمائی اور عرض کی ارنی انظر الیک۔ توجواب آیا قَالَ لَنْ تَرَانِیْ وَلٰکِنِ انْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَکَانَهٗ فَسَوْفَ تَرَانِی (ترجمہ) فرمایا! تو ہرگز دیکھ نہیں سکتا۔ ہاں پہاڑ پر نظر جمائے رکھو۔ اگر وہ پہاڑ قائم رہا تو پھر تم دیکھ سکو گے۔ لیکن ہو اکیا فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَکًّا وَخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا۔ جب پروردگار عالم نے اپنی تجلی فرمائی پہاڑ پر تو ایک تجلی ہی نے پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

دیکھئے! موسیٰ گو بے ہوشی سے گر پڑے۔ لیکن اس مشاہدے سے ایک شناسائی بھی حاصل ہو گئی۔ غرض حسی مشاہدات کے ساتھ جب باطنی مشاہدے چلتے ہیں اور یکسانیت کے ساتھ قدم اٹھاتے ہیں تو معرفت اور شناسائی بڑھتی جاتی اور حجابات نفسی اٹھتے جاتے ہیں۔

اس میں تنزیہہ بھی ہے تشبیہ بھی۔ ذات بنفسہ تنزیہہ کے پردے میں رہتی ہے اور ذات کے ظہورات عالم وجود میں آکر شرف باریابی ذات حقہ بخشتے رہتے ہیں۔ گو عوام ظہورات کو اسی کی ذات خیال کرتے ہیں۔ لیکن خواص ہمیشہ ذات کو پس پردہ خیال کرتے آئے اور مشاہداتِ حسی یا باطنی سے اس کی جلوہ آرائی ظہورات پر ایمان لاتے رہے۔ اور یہی توحید کامل ہے۔ اس کے یقین کامل پر توحید کے اثرات مرتب ہوتے ہیں اور عالم ظہور میں اس موحد کے ذریعے ظہورات الہیہ، مشاہدات رحمانیہ حسی عالم میں دکھائی دینے لگتے ہیں یعنی معجزات و کرامات ظاہر ہونے لگتے ہیں وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْر۔ اس کے مطالعہ کے لئے

Marfat.com

ایک اور آیۃ پیش کی جاتی ہے۔ غور کیا جاوے کہ لطافت خاصہ اور استحضار کتنا وسیع ہے۔ سورہ آل عمران ۵۔۶

اِنَّ اللّٰہَ لَایَخْفٰی عَلَیْہِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَاءِ
"زمین و آسمان کے اندر کی کوئی شے بھی اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں ھُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَاءُ۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ "وہ تو وہی ہے جو ماں کے پیٹ میں جیسے چاہتا ہے تمہاری صورت بناتا ہے۔ اس غالب حکمت والے کے سوائے کوئی عبادت کے لائق نہیں"

علم کی وسعت دیکھئے کتنی ہے۔ پھر علم ہی علم نہیں۔ بلکہ تخلیق کا اتنا بڑا مالک ہے کہ پیٹ کے اندر وہی صورت گر ہے۔ کائنات کی تخلیق تو ایک موٹی بات تھی۔ اس آیۃ میں یہ کھول دیا ہے کہ صورتیں بھی ہم خود بناتے اور گھڑتے ہیں۔ پھر اس آیت کے ساتھ ایک اور آیت کا مطالعہ کیا جاوے فرماتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ یُمْسِکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا
وَلَاِنْ زَالَتَا اِنْ اَمْسَکَھُمَا اَحَدٌ مِّنْ بَعْدِہٖ اِنَّہٗ
کَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا

"ہم ہی آسمانوں اور زمین کو الگ الگ تھامے ہوئے ہیں۔ اگر وہ الگ الگ ہو جاویں تو اس کے بغیر کون انہیں تھام سکتا ہے"

اِنَّہٗ کَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا

"لیکن وہ مہربان ہونے کی وجہ سے ان کو ہاتھ سے گراتا نہیں اور تھامے ہوئے ہے، اور درگزر کرنے والا ہے اپنے بندوں کے حق میں"

دیکھنا یہ ہے یہ امساک (تھامنا) کیسے ہے؟ خود ذات تھامے ہوئے ہے یا اس کا "امر ٹھہرا ہوا ہے کہ ان کو ادھر اُدھر نکلنے نہیں دیتا۔ آخر امر بلاواسطہ کام کر

Marfat.com

رہا ہے یعنی کسی ذریعہ کے بغیر ،یا کوئی ذریعہ ہے۔ ہمارے نزدیک کوئی دوسرا ذریعہ نہیں خود ذات ہی ذریعہ اور واسطہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ بلکہ واسطہ ہے اور حق ہے۔ اس کے ساتھ ایک اور آیت تشریح کے لئے پیش کر دی جاتی ہے۔ فرماتے ہیں۔ آیات ۷ ۲۔ ۸ ۲الذریات۔

وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِاَيْدٍ وَ اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ
وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ

"اور آسمانوں کو اپنے ہاتھوں سے بنایا اور ہم سب کو مقدور ہے اور زمین کو ہم نے بچھایا۔ تو دیکھو! پس ہم کیا خوب بچھانے والے ہیں"

بے مثل و بے مثال

اگرچہ اللہ تعالیٰ دست ظاہر سے پاک ہے۔ ید (ہاتھ) کا لفظ لانے سے یہ وضاحت مطلوب تھی کہ ہماری ذات حقہ' نے خود آسمان و زمین بنائے۔ جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اس کا امر بھی امر ہے لیکن خود ذات متصرف فی الامور ہے۔ یہ تمام آیات اس لئے پیش کی جا رہی ہیں کہ ذات حقہ' بے مثل و مثال ہے، کوئی صورت اس کی ذات کی، خیال و تصور میں گھڑی نہیں جا سکتی۔ اور جو کچھ مشاہدہ اور جلوہ میں آتا ہے وہ اس کی صورت حقہ نہیں ہوتی، بلکہ اس کی جلوہ آرائی ہوتی ہے۔ لیکن عام مذہبی تصور میں اس کی صورت کا نقشہ دلوں میں گھڑا رہتا ہے اور یہ مذہب اس کو اپنے خیالات کے آئینہ میں مذہبی صورت کا نقشہ دیتا ہے۔ مثلاً ایک مسلمان ایک مسلمانی تصورات کا خاکہ اسے پہنائے گا اور ایک ہندو اسے ہندو مت کے لباس میں جلوہ گر دیکھے گا۔ غرض جتنے مذاہب، اتنے تصورات و خیالات اس کے بارے میں۔ اس صورت میں اگر یہ کہہ دیا جائے کہ تمام تصورات اور خیالات

Marfat.com

کا وہ مجموعہ اور خاکہ ہے، گو اس تقدس کے یہ خلاف ہے، تو ایک گونہ بے تصوری اور بے مثلی پیدا ہو جائے گی اور وہ مسئلہ اپنی جگہ خود بخود حل ہو جائے گا کہ بے مثل و بیمثال ہے۔ روح دیکھنے میں آج تک نہیں آئی اور کوئی صورت اس کی گھڑی نہیں جا سکتی۔ کائنات کی ہر چیز کے اندر روح ہے اور وہی اس کی مادی صورت کی ضامن ہے۔ روح نکل جائے تو صورت میں بھی فساد پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ کہنا کہ روح پر مادی صورت پیدا ہو جاتی ہے، یا مادے کی صورت میں روح پیدا ہوتی ہے۔ مذہبی خیال تو یہی ہے کہ رُوح پر مادی صورت کا لباس آتا ہے اور رُوح کسی صورت اکیلی دکھائی نہیں دیتی۔ بعینہٖ یہی صورت رب العزّت کی ہے کہ خود ذات حقہ اپنی صورت بے مثل و بے مثال سے دکھائی نہیں دیتی، بلکہ عالم وجود میں کائنات ارضی و سماوی میں ظہور پذیر ہے۔ اسی واسطے عارفین حق بعض اسی طرف گئے کہ عالم وجود ذات حقہ ہے اور "کُلَّ یَوْم ھُوَ فِی شَاْن" (ہر دن ایک نئی آن بان میں ہے) کی تفسیر و تعبیر میں یہی کہتے چلے آئے ہیں کہ ذات کے ظہورات ہی عین حقیقت ہے ورنہ خود ظہورات کے کیا تغیرات ہو سکتے ہیں۔ وہ مسلسل از منہ کے ساتھ یکساں ہے اور بلا تغیر..... لیکن یہ ظہورات متواتر ہر آن ہر گھڑی بدلتے رہتے ہیں۔ یہی عارف وحدتِ وجود کے قائل ہیں کہ کوئی وجود اس کی ذات کے سوا نہیں۔ اور خود ہی جلوہ گر ہے۔ اس کے ساتھ وہ ایک اور آیت پیش کرتے ہیں۔

اَللّٰہُ نُوْرُالسَّمٰوٰتِ وَالْاَرْض

"اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کا نور ہے"

یہ نور کیا ہے یعنی رونق دنیا سے تعبیر کیا جا سکتا ہے؟ یا تازگی دنیا سے! لیکن وجودی (وحدت الوجود کا عقیدہ رکھنے والے) اسی آیت کو وجود حق کی دلیل ٹھہراتے ہیں، کہ خود ذات حقہ کے جلوے تمام کائنات ہے اور خود ہی ظہور کل اور وجود کل

Marfat.com

ہے۔ لیکن بہت سی آیاتِ قرآنی اس کے بر خلاف آئی ہیں۔ مثلاً تخلیق اور احکام کی آیات کھلم کھلا اس کے بر خلاف ہیں۔ وہ وجود حق کو اس نظریے کے بر خلاف پیش کرتے ہیں۔ اب چند آیات صفات الٰہیہ کی پیش کرتے ہیں۔ اعراف ۵۴

اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
فِیْ سِتَّۃِ اَیَّام ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْش

ترجمہ پختہ اور یقنی امر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان چھ دن میں پیدا کئے اور پھر عرش پر قرار فرمایا"۔

یُغْشِی اللَّیْلَ النَّھَارَ یَطْلُبُہٗ حَثِیْثًا وَالشَّمْسَ
وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٌ بِاَمْرِہٖ اَلَا لَہُ
الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبَارَکَ اللّٰہُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ

(ترجمہ) وہی رات کو دن کے اندر بھاگے بھاگے چھپائے جاتا ہے اور سورج، چاند اور ستارے اس کے حکم کے تابع ہیں۔ تمام پیدائش مخلوق اس کی ہے اور تمام حکم بھی اس کا۔ اللہ تعالیٰ رب الغفور (پروردگار عالم) بہت ہی برکت والا ہے"۔

ہمارا مقصود اس آیت سے "الالہ الخلق والامر" اسی کی خلقت اور اسی کا امر ہے۔ یعنی کائنات کی پیدائش اسی نے فرمائی۔ پھر اس کے اندر جو کچھ جاری و ساری ہے، چلت پھرت وہ بھی اس کے حکم سے ہوتا ہے۔ اس آیت کے ساتھ آیت المائدہ ۵۹ کا مطالعہ کیا جائے۔

وَعِنْدَہٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَایَعْلَمُھَا اِلَّا ھُوَ وَیَعْلَمُ
مَافِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَاتَسْقُطُ مِنْ وَرَقَۃٍ اِلَّا
یَعْلَمُھَا وَلَا حَبَّۃٍ فِیْ ظُلُمَاتِ الْاَرْضِ
وَلَارَطْبٍ وَلَایَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتَابٍ مُبِیْنٍ

Marfat.com

ترجمہ :۔اس مقدس کے پاس تمام غیب (پوشیدہ) کی کنجیاں ہیں جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا ہے۔ جنگل و سمندر کی تمام اشیاء کو جانتا ہے۔ ایک پتہ بھی نہیں گرتا مگر وہ اس کو جانتا ہے۔ زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ اور کوئی تری یا سوکھی چیز نہیں مگر کتاب روشن میں لکھی ہوئی ہے۔

ملاحظہ !ہو علم کی کتنی وسعت ہے۔ اس وسعت کے ساتھ اس کا امر (حکم) بھی کار فرما ہے یعنی کوئی ذرہ بھی اس کے حکم کے بغیر نہیں ہلتا۔ اب سورۃ یٰسین کی آخری آیات کو ملاحظہ فرمایا جاوے کہ امر کی کار فرمائی کیا ہے۔ اِنَّمَا اَمْرُہٗ اِذَا اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ اس کا امر جب کسی شے کو چاہتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ ہو جا، پس وہ ہو جاتا ہے۔ یعنی صرف ارادی حکم (توجہ)، جب کسی چیز کی ہستی مطلوب ہوتی ہے تو وہ فوراً ہو جاتی ہے۔

اللہ اللہ ! کیا حکم ہے۔ بجلی کا بٹن نہیں دیکھتے۔ وہ بھی ایک بٹن ہے۔ اس کا ارادہ ہی تمام کائنات کا باعث ہے۔ عارفین کا قول ہے کہ پہلے کن کا ظہور ابھی تک چلا آرہا ہے کہ دوسرے کن کی ضرورت نہیں۔ جیسے درخت اگتا ہے تو اس کو سینچنے سے پتے شاخیں خود بخود ابھرتی آتی ہیں اور وہ درخت اپنے وقت میں لاکھوں اربوں پتے رکھتا ہے۔ کچھ نکلتے ہیں، کچھ گرتے ہیں، ثمر آتے ہیں، پھر توڑے جاتے ہیں پھر آتے پھر توڑے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ درخت اپنی عمر پوری کر کے گرتا ہے اور مٹی ہوتا ہے فَسُبْحَانَ الَّذِیْ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ وَّ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ "وہ پاک (ذات) ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی قدرت ہے اور اسی کی طرف لوٹنا ہے"۔

ملکوت کا ترجمہ ہم نے قدرت کیا ہے۔ اس کے مختلف تراجم ہیں۔ لیکن صحیح ترجمہ کوئی بھی موزون نہیں۔ ملکوت کے معنی اقدارِ حقیقی ہر چیز کے ہیں اور

Marfat.com

"اَلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ کا مطلب اور مقصد یہ ہے کہ آخر کار ہر چیز کا مآل اس ذات وحدہٗ لاشریک پر جا ٹھہرتا ہے۔ اور یہ آیت ان تمام ماسبق آیات پر ایک مہر تصدیقی ہے۔ جو کچھ ہوتا ہے اور ہو رہا ہے اور ہو گا وہ سب کچھ اس کے قبضہ و تصرف میں ہے۔ اور ہونے کے بعد انجام کار ایک طرف جانا ہو گا۔ دریا کا پانی دریا میں جا گرے گا۔ اور وحدت مطلقہ وحدتِ مطلقہ بن جائے گا۔ لِمَنِ الۡمُلۡکُ الۡیَوۡمَ لِلّٰہِ الۡوَاحِدِ الۡقَہَّارِ ۔ کی فطرتی آواز غیب نکلے گی۔ اخر میں پر چند جملے قرآن حکیم سے اور پیش کئے جاتے ہیں جو بطور خواتیم آیات بکثرت پائے جاتے ہیں۔ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ۔ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ

اولَمۡ یَکۡفِ بِرَبِّکَ اَنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ مُّحِیۡطٌ ۔ اَلَمۡ یَکۡفِ بِرَبِّکَ اَنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَہِیۡدٌ۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیۡمٌ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ۔ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ۔ وَاِنۡ تُبۡدُوۡا مَا فِیۡ اَنۡفُسِکُمۡ اَوۡ تُخۡفُوۡہُ یُحَاسِبۡکُمۡ بِہِ اللّٰہُ۔ وَاللّٰہُ خَلَقَکُمۡ وَمَا تَعۡمَلُوۡنَ۔ وَمَا تَشَآءُوۡنَ اِلَّا اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰہُ رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ۔

تصور توحید باعث عظمت

اب صفاتِ خاصہ اور عامہ پر غور کیا جاوے کہ یہ صفات عالیہ کسی عام ذہن یا خاص ذہن میں سما سکتی ہیں، یا کسی ایسی ذات سے وابستہ کی جائیں جو دیکھنے میں آتی ہی نہ ہو اور جس کی مثال ذہن میں آتی ہی نہ ہو، تو سوچنا چاہیئے کہ پھر کس طرح تعین ایک انسانی ذہن میں آیا۔ بعض فلاسفر یا بے وقوف لوگ یہ کہتے سنے گئے ہیں کہ تصور خدا انسان کی ذہنی پستی نے پیدا کیا ہے ورنہ خدا تعالیٰ اور اس کی صفات کہاں۔ لیکن ہم

Marfat.com

حیران ہیں تصور خدا انسانی پستی کا باعث ہوا یا بلندی کا؟ ہم تو دیکھتے ہیں اس تصور پاک نے انسانی ہستی کو وہاں پہنچایا جہاں فرشتے بھی نہ پہنچے۔ دنیا کا ڈھانچہ بدل دیا۔ انسانی برادری کو اکٹھا کر دکھایا اور ساری دنیا کو ایک وحدت میں لانے کا باعث ہوا۔ پھر صرف وحدت نہیں بلکہ اخلاق انسانی کے اندر کتنی سچائی پیدا کی، کتنی ہمت بلند کی۔ کہاں زمین اور کہاں آسمان۔ آسمان پر جا کمند ڈالے، جہاں آج کی ترقی یافتہ ہستیاں ابھی تک رسائی حاصل نہ کر سکیں۔ غرض جو فلاح بھی تھی وہ اس تصور پاک نے انسانی ہستی کے اندر جمع کر دی۔ بھٹکا ہوا انسان ایک قدم اٹھا نہیں سکتا۔ اس نے طریقہائے زندگی کے واضح نشان دکھائے اور وہاں پہنچا دیا جہاں کی خاک تک بھی بھٹکا ہوا انسان نہیں پہنچ سکتا۔ پریشانی کو طمانیت میں بدل دیا اور تنگی کو وسعت کا لباس دے دیا۔ غرض ہر رنج و غم کے وقت، ساتھ ہو جاتا ہے اور خوشی و آرام میں رہبری فرماتا ہے، کجی اور باطل سے روکتا ہے اور راستی و سچائی کی طرف بلاتا ہے، ضرورت پر جان پر کھیلنا آسان کر دیتا ہے۔ اندھے عقل والے کہتے ہیں کہ ماحول کے واسطے سے یہ تخیل پیدا ہوتا ہے کہ ہر ملک کے باشندے اپنے ماحول کے مطابق اس تصور پاک کو اپنے تاثرات کے مطابق گھڑتے ہیں۔ لیکن یہ بھی سوچا جاتا کہ تصور تو ایک ہے۔ لباس الگ الگ ہے کیا انسانی حقیقت تمام روئے زمین پر ایک نہیں؟ لیکن ہر ملک کا لباس الگ اور اخلاق الگ ہے۔ پانی ایک ہے لیکن مختلف مٹکوں میں رکھنے سے الگ الگ رنگ و بو پکڑ جاتا ہے۔ ایسے ہی ہستی ایک ہے۔ اور ایک ہستی کے اندر آنے سے اس کی صفاتِ عالیہ بھی ایک ہیں۔ لیکن عام فہم میں لانے کے لئے کچھ الگ الگ دکھائی دے جاتی ہیں تاکہ وقت اور حالات کے مطابق انسانی ہستی کے فہم میں آجاوے۔ مثلاً خدائی زبان بے حرف و نشان ہے لیکن جغرافی وجوہ سے عرب ممالک میں عربی لب و لہجہ اختیار کیا جائے گا اور ہندی ممالک میں ہندی بھاشا کا استعمال ہوگا۔ ایران میں اسے فارسی اور ایرانی لباس دیا جائے گا۔ حقیقت ایک ہوگی لیکن لباس الگ الگ۔

Marfat.com

معرفت کا حصول

معرفت الٰہیہ کے حصول کے لئے ظاہر و باطن سے کام لیا جاتا ہے۔ نہ صرف ظاہر سے کام چلتا ہے، نہ صرف باطن سے۔ نفوس کے اندر باطنی تغیر اور باطنی روشنی پیدا کی جاتی ہے۔ جس کے ذریعہ دل کی آنکھ کھل جاتی ہے اور وہ عجائبات باطنی دیکھنے کے قابل ہو جاتی ہے اور غیوب کی سیر ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی باطن کی سیر کی تکمیل کے لئے ظاہر کو اس کے ساتھ کر دیا جاتا ہے۔ جو آنکھ باطن کی چیز باطن میں دیکھتی ہے، پھر وہی چیز باطن کی ظاہر کی آنکھ بعینہ دیکھتی ہے۔ اس صورت میں جب تطابق ہو جاتا ہے تو معرفت اپنے قدم آگے بڑھانے شروع کر دیتی ہے اور وہاں پہنچتی ہے جہاں انسانی فکر کی پرواز نہیں پہنچتی۔ بلکہ اس فکر کے مطابق دنیا ڈھلنی شروع ہو جاتی ہے اور ایک عالم مسخر ہو جاتا ہے۔ صفات عالیہ جن کا ذہن میں آنا بھی نا ممکن تھا وہ ایک ایک ذات بے مثال کے ساتھ وابستہ نظر آنے لگتی ہیں۔ اور یہ حقیقت اس کے ظہور کی عیانی صورت ظاہری آنکھوں کے سامنے جلوہ گر ہوتی ہے بلکہ اس کے ارشاد کی تعمیل دنیا میں ہونی عیناً اور حساً دکھائی دینے لگتی ہے اور دیکھنے والا کوئی حرکت اپنی طرف منسوب نہیں کرتا اور اپنے افعال و احوال کو کلی طور پر مسلوب سمجھتا ہے۔ اور ہر فعل و حرکت کی حکمت پیش کر دی جاتی ہے اور یہ حکمت کا تعلق عالم دنیا کے ساتھ مفاد عامہ اور مفاد خاصہ کی صورت میں دکھائی دینے لگتا ہے۔

آگ کے اندر ابراہیم کو چخا پر چڑھایا جاتا ہے۔ سینکڑوں، ہزاروں من ایندھن کی آگ بھڑکتی ہے۔ ابراہیم علیہ السلام بلا خوف یا با خوف اندر بیٹھے ہوئے خدائے قدوس کی مرضی و رضا کو دیکھ رہے ہیں کہ اچانک آواز آتی ہے قُلْنَا یَانَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَسَلَامًا عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ حکم ہوتا ہے، اے آگ! ابراہیم پر

Marfat.com

ٹھنڈی ہو جا۔ چنانچہ وہ باغ و بہار میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

پیاس غالب ہوتی ہے۔ قوم حضرت موسیٰ سے پانی کا مطالبہ کرتی ہے۔ حکم ہوتا ہے اِضْرِبْ بِعَصَاکَ الْحَجَرَ (اے موسیٰ) اپنا عصا (لاٹھی) پتھر پر مارو۔ پھر کیا ہوتا ہے فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا، تو بارہ چشمے پھوٹ نکلتے ہیں۔ موسیٰ کو حکم ہوتا ہے اِذْهَبَا اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى فرعون کے پاس (تم دونوں) جاؤ کیونکہ وہ سرکش ہو چکا ہے۔ عرض کیا جاتا ہے رَبَّنَا اِنَّا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَا اَوْ اَنْ يَّطْغٰى اے پروردگار عالم ہمیں خوف ہے کہ وہ ہم پر زیادتی نہ کرے۔ جواب ملتا ہے لَا تَخَافَا اِنَّنِيْ مَعَكُمَا اَسْمَعُ وَاَرٰى۔ تم مت خوف کھاؤ میں تمہارے ساتھ دیکھتا سنتا ہوں (گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں)۔ فرعون کی فوج تعاقب میں بھاگے بھاگے موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو پہنچتی ہے تو موسیٰ علیہ السلام کی قوم گھبراہٹ سے بول اٹھتی ہے، اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ہم تو پکڑے گئے تو موسیٰ علیہ السلام جواب دیتے ہیں كَلَّا اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ہرگز نہیں، میرا رب میرے ساتھ ہے وہ مجھے چھٹکارے کا راستہ دکھائے گا۔ اس کہنے پر پھر ارشاد ہوتا ہے اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاکَ الْبَحْرَ لاٹھی کو سمندر پر دے مار۔ پھر کیا دیکھا جاتا ہے فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ "سمندر پھٹ گیا اور ہر ٹکڑا ایک پہاڑ کی طرح ہو گیا" (شعرا ۶۱ تا ۶۳)۔ فرعون اور اس کی قوم پانی میں داخل ہوئی لیکن پانی پانی ہو کر مل جاتا ہے اور فرعون بمعہ اپنی فوج غرق ہو جاتا ہے..... عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے عرض کیا کہ آپ کے رب میں اتنی قدرت ہے کہ وہ آسمان سے دستر خوان ہمارے لئے بھیجے، تو آپ نے فرمایا اللہ سے خوف کھاؤ ایسے مطالبے مت کرو۔ تو حواریوں نے پھر عرض کیا کہ جناب ہمارا مقصد تو کھانے کا ہے تاکہ ہمارے دل مطمئن ہوں اور ہمارا آپ پر یقین پختہ ہو جائے اور ہم تمام

Marfat.com

کے لئے ایک قسم کے گواہ ہو جائیں۔ اس پر حضرت نے بارگاہِ الٰہی میں دعا کی کہ اے اللہ تعالیٰ! ہمارے لئے آسمان سے کھانا اتارا جاوے۔ تو فرمایا گیا اِنِّیْ مُنَزِّلُھَا میں اتار رہا ہوں چنانچہ خود کھانے کھلائے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے رسالت کی دعوت دی تو فرمایا:.

اِنِّیْ قَدْ جِئْتُکُمْ بِاٰیَۃٍ مِنْ رَّبِّکُمْ اَنِّی اَخْلُقُ لَکُمْ مِنَ الطِیْنِ کَھَیْئَۃِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْہِ فَیَکُوْنُ طَیْراً بِاِذْنِ اللّٰہِ۔"

میں تمہارے رب کی طرف سے کئی نشانیاں لایا ہوں۔ تمہارے لئے مٹی کی مورت بشکل پرندہ بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو خدا کے حکم سے وہ (سچ، مچ) پرندہ جانور ہو جاتا ہے"۔

دوسری نشانی

وَاُبْرِیءُ الْاَکْمَہَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰہِ۔

اور اندھے اور کوڑھی کو تندرست کر دیتا ہوں اور خدا کے حکم سے مردے میں جان ڈال دیتا ہوں"

تیسری بات

وَاُنَبِّئُکُمْ بِمَا تَاْکُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُیُوْتِکُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ

"جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو اپنے گھروں میں جمع کرتے ہو سب کو بتا دیتا ہوں۔ اگر تم صاحب ایمان ہو تو ان باتوں میں تمہارے لئے (قدرتِ خدا کی) نشانی ہے۔"

Marfat.com

خیال فرمائیے! جس کے اندر یہ نشانات آجاویں اور یہ قدرت جسے دیدی جائے تو پھر کچھ شک بھی صفاتِ الٰہیہ یاذات حقہ کارہ جاتا ہے۔بلکہ وہ اپنے سے بڑھ کر دوسروں کو دعوت دیتا ہے کہ تم خود دیکھو، آزماؤ، پھر یقین کرو اور اللہ کی ہستی پر ایمان لاؤ۔ کسی کا یہ کہنا کہ یہ خیال ہی خیال ہے اور ماحول اور پستی انسان کا فکر ہے، کتنابودا خیال ہے ؟اگر سراسر فکر ہوتا تو یہ تسلیم کر لیا جاتا۔ لیکن یہ صرف فکر نہیں بلکہ فکر کا مشاہدہ ہے اور مشاہدہ بھی عام۔ ایک اندھا آتا ہے اور پیغمبر خدا اس کی طرف توجہ نہیں فرماتے جس پر تنبیھہ ہو جاتی ہے۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰی اَنْ جَاءَہُ الْاَعْمٰی

ترش رو ہو کر اندھے سے آپؐ نے منہ پھیر لیا"۔

دیکھئے کتنی باریکی نظر ہے۔اور ہر جنبش رسول پر کڑی نظر ہے۔ کیوں ؟ اس لئے کہ رسول کا ہر فعل ایک امّت کے لئے زیر غور آنا ہوتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ عبادت شاقہ میں کھڑے کھڑے راتیں گذارتے ہیں۔ارشاد ہوتا ہے وَمَا اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْآنَ لِتَشْقٰی۔ یعنی قرآن میں نے تکلیف کے لئے نہیں اتارا۔

حضرت نوح اور معرفت الٰہی

حضرت نوحؑ دعوت الٰہیہ دیتے دیتے تھک جاتے ہیں۔ سالوں نہیں صدیاں اسی دعوت میں گذر جاتی ہیں لیکن چند آدمیوں کے سوا اس دعوت سے سب باغی ہو جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں وَلَمْ یَزِدْھُمْ دُعَائِیْ اِلَّا فِرَارًا (نوح) میری دعوتِ الٰہیہ نے ان کو بھگوڑا کر دیا۔ "یعنی مجھے دیکھتے ہی بھاگنے لگتے ہیں اور جب بھی میں ان کو توبہ کے لئے بلاتا ہوں کہ تو ان پر رحم فرماوے تو وہ اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال دیتے اور سر پر کپڑا اوڑھ لیتے ہیں تاکہ میرا کچھ نہ سنیں اور

Marfat.com

از جاتے ہیں اور اکڑ جاتے ہیں۔ تو ایسے حال میں حضرت نوحؑ بارگاہ الٰہی دعا میں فرماتے ہیں :

لَاتَزِدْعَلَى الْاَرْض مِنَ الْكَافِرِيْنَ دَيَّارَا

"میرے پروردگار کسی کافر کو زمین پر بستا نہ چھوڑ"

دعا قبول ہوتی ہے۔ حکم ہوتا ہے آیت ۳۵

واصنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا ووَحيْنِا وَلَا تُخَاطِبْنِىْ فِى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ۔

"ہمارے سامنے ایک کشتی بناؤ۔ ظالموں کے بارے ہم سے کچھ نہ کہنا (کیوں کہ) وہ غرق ہونے والے ہیں"

دیکھئے! کس کی دعا پر یہ غرق ہو رہے ہیں اور کس طرح، جس کا خواب و خیال بھی کسی کو نہ تھا۔ ایک جنگل، خشک زمین جہاں پانی کے آنے کا خیال تک نہ ہو سکتا تھا اور پھر اس زمین خشک پر اللہ تعالیٰ کا حکم کہ کشتی بناؤ ہمارے روبرو اور ہمارے کہنے کے مطابق۔ لیکن نوحؑ نے یہ سوال نہ کیا کہ اے اللہ تعالیٰ اس خشک زمین پر پانی کیسے آئیگا اور میں کیسے اسے بناؤں؟ چنانچہ جب بنانا شروع کیا تو آنے جانے والے اور دیکھنے والے ٹھٹھا مخول کرنے لگے کہ دیوانہ کشتی بنا رہا ہے۔ کیوں بنا رہا ہے؟ لیکن جب کشتی تیار ہو گئی اور وقت آپہنچا حَتّٰى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ۔ جب وقت حکم آپہنچا تو "تو تنور جوش مارنے لگا۔ یعنی تنور سے پانی کے چشمے پھوٹ گئے اور لق و دق صحرا پانی سے بھر گیا"..... آپ سوچ سکتے ہیں کہ کس طرح نوحؑ کو معرفت الٰہی دی گئی۔ ایسی صورت میں حضرت نوحؑ کو کوئی شبہ خدائیت میں رہ جاتا ہے؟ یا کامل یقین پہلے سے بھی زیادہ یقین کامل ہو جاتا ہے۔ پھر یہ نہیں کہ نوحؑ کے سامنے صرف یہ ایک واقعہ پیش آیا۔ لاکھوں نشانات الٰہیہ اور مشاہداتِ رحمانیہ رات دن دیکھتے رہے ورنہ اتنی لمبی مدت دعوت دے کیسے سکتے تھے۔

Marfat.com

حضرت ھود اور معرفت الٰہی

ھود علیہ السلام قوم کو دعوتِ خدائی دیتے ہیں۔ وہ ٹھکراتے ہیں بلکہ ان پر الزام لگاتے ہیں کہ ہمارے کسی معبود نے تم پر کچھ کر دیا (کہ تم دیوانے ہو گئے) اِلَّا اعْتَرَاکَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْءٍ۔ (قرآن حکیم، ہود ۵۸) تو آپ جھٹ فرماتے ہیں، اِنِّی اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْا اَنِّی بَرِیْءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ "میں خدا کو گواہ بناتا ہوں اور تمہیں بھی گواہ کرتا ہوں کہ جن کو تم خدا کا شریک کرتے ہو میں بیزار ہوں"

یہ بیزاری اور اس کا اس دھڑلے سے اعلان، ایک قسم کا چیلنج قوم کو تھا۔ لیکن اس اعلان کے ساتھ چند اور کلمے بڑھا دیئے جو کسی کی ہمت سے باہر تھے اور برملا کہہ دیا فَکِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنَ "تم تمام چال جو میرے خلاف چلنا چاہو، چلو۔ پھر مجھے مہلت نہ دو۔ تاکید پر تاکید، کرو جو کرنا چاہو اور دیر مت لگاؤ" ..... خود سوچئے! یہ الفاظ کون نکال سکتا ہے؟ وہی نکال سکتا ہے جس کے اندر ایک بھاری اور بڑی قوت کا سہارا ہوتا ہے اور وہ اٹل اپنا حکم رکھتی ہے۔ پھر اس کے اور اس کے سہارے کے الفاظ بھی سن لیجئے۔ فرماتے ہیں۔

اِنِّیْ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰهِ رَبِّیْ وَرَبِّکُمْ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌ بِنَاصِیَتِهَا

میں تو اس خدا پر بھروسہ رکھتا ہوں، جو میرا رب ہے اور تمہارا بھی (وہ کیسا خدا ہے) ہر چلنے پھرنے والے کو چوٹی سے پکڑے ہوئے ہے یعنی جدھر چاہتا ہے اس طرف لیجاتا ہے"

لیکن یقین رکھئے اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ میرا رب سیدھے راستے پر ہے یعنی غلطی نہیں کھاتا اور اس کے حکم صحیح ہیں۔ ذرا غور فرمایا

Marfat.com

جاوے، جس ذات کے اندر یہ جذبہ ہو اور یقین۔ تو یہ یقین خیالوں سے ہی پیدا ہوتا ہے یا اس نے واقعاتی دنیا میں کچھ اسباب اپنے یقین کے دیکھے ہوتے ہیں دیکھے ہوتے ہیں اور ضرور دیکھے ہوتے ہیں۔ لیکن یہ امر دیکھاتے بھی چلے جاتے ہیں دیکھئے! جب قوم ہود نہ مانی اور دعوتِ الٰہیہ کے سامنے سر بسجود نہ ہوئی تو عملاً احکام جاری ہو گئے اَلَا اِنَّ عَادًا کَفَرُوْا رَبَّھُمْ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ ھُوْدٍ ..... ہاں (جان رکھو) عاد اپنے رب کا نافرمان رہا۔ ہاں (یقین رکھو) کہ ہود کی قوم عاد پر پھٹکار ہے۔ یہ صرف زبانی پھٹکار نہ تھی۔ قوم تباہ ہو گئی اور دنیا سے نیست و نابود ہو گئی۔ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ خیالی دنیا خیالی رہتی ہے جب تک واقعاتی دنیا میں بھی عملی جامہ نہ پہنے۔

مشاہدہ باعث یقین

ہستی قادر مطلق کا تصور اگر خیال میں بھی کسی کے رہتا تو زیادہ سے زیادہ ہوتا اور تمام دنیا میں بھی پھیل جاتا۔ اگر اس تخیل کے آثار و نشانات اور نتائج واقعاتی دنیا میں ظہور پذیر نہ ہوتے تو یہ تصور کبھی قابل تسلیم نہ ہوتا۔ لیکن جب سے یہ دنیا قائم ہوئی اس وقت سے لے کر یہ تصور اور یہ یقین پاک پیدا ہوتا چلا آیا اور اس یقین نے مشاہداتی صورت میں اپنے رب کو پایا اور ایک دنیا کو دکھایا۔ اور مشاہدات حسی کے ذریعے تسلیم ہی نہیں کرایا بلکہ واقعاتی دنیا میں اس کی جھلکیں اتنی زیادہ واقع ہوتی چلی آئیں اور اتنے واقعات کثیرہ سامنے آئے کہ کسی کو انکار کی گنجائش نہیں رہی تا آنکہ جن کے بارے خود اس ذات عزاسمہ نے قدرتی طور پر یہ فیصلہ فرمادیا ہے خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوبِھِمْ وَعَلٰی سَمْعِھِمْ وَعَلٰی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی (کہ توبہ نہ کریں) اور ان کے کانوں اور آنکھوں پر پردے ڈال دیئے، نہ کچھ سنیں اور نہ کچھ دیکھیں"۔

Marfat.com

آیئے !ذرا اب معرفت کا ایک اور ابتدائی خاکہ آپ کو دکھائیں۔

حضرت موسیٰ اور معرفت الٰہی

موسیٰ علیہ السلام کی بیوی کو دردزہ شروع ہوتا ہے۔ جنگل میں ہیں۔ رات کا وقت ہے۔ پریشانی کا عالم ہے اور بے بسی۔ اچانک دور ایک آگ دکھائی دیتی ہے۔ بھاگے بھاگے جاتے ہیں۔ اچانک آواز آتی ہے۔ اِنِّیْ اَنَا رَبُّکَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْکَ اِنَّکَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی۔ ”میں خدا ہوں، میں تمہارا پروردگار ہوں، اپنے جوتے اتار دے (کیوں کہ) تم ایک پاک میدان طوے میں ہو“۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ انوکھی آواز سنی ہو گی تو ضرور حیران ہوئے ہوں گے اور خیال آیا ہو گا کہ یہ کیا طرفہ ہے۔ جس پر شناسائی بڑھانے کے لئے ایک اور قدم بڑھایا گیا۔

وَاَنَا اخْتَرْتُکَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰی اِلَیْکَ اِنَّنِیْ اَنَا اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ۔

”میں نے تم کو (اپنے لئے) چن لیا تو جو کہا جاوے، اسے سنو میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی خدا نہیں، تو تم میری عبادت کرو اور میری یاد کے لئے نماز قائم کرو“۔

ان محبت بھرے الفاظ کے بعد کہ میں نے تمہیں کہنے سننے کے لئے عام آدمیوں سے چن لیا اور میں تمہارا خدا ہوں، اس لئے تم میری پرستش کیا کرو اور میری یاد تازہ کرنے کے لئے نماز قائم کیا کرو۔ سبحان اللہ! نماز کیا ہے؟ ایک پرستش ہے اور دوسری اس کی یاد۔ یہ بات صرف ذکر میں کہاں؟ ایک طرف عبودیت کا اظہار اعمالی طور پر ہوا ہے دوسری طرف زبانی طور پر اس کی تقدیس و

Marfat.com

تہلیل شروع ہے۔ اسلام کا یہ رکن کتنا بلند نظریہ اور علمیہ کا مالک ہے۔ کاش مسلمان اس تصور پاک سے فائدہ اٹھاتے"۔ جملہ معترضہ ختم۔ اصل حقیقت پر چلیئے۔ پھر بھر پور محبت سے فرماتے ہیں۔ وَمَاتِلْکَ بِیَمِیْنِکَ یَامُوْسٰی "موسیٰ! تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے"؟ جواب میں عرض کیا جاتا ہے۔ ھِیَ عَصَایَ میری لاٹھی ہے اَتَوَکَّؤُ عَلَیْھَا وَاَھُشُّ بِھَا عَلٰی غَنَمِیْ وَلِیَ فِیْھَا مَاٰرِبُ اُخْرٰی..... اس پر سہارا لیتا ہوں اور اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں۔ اس کے علاوہ اور کئی فائدے اس سے اٹھاتا ہوں"۔ یہ سننے کے بعد حکم ہوتا ہے اَلْقِھَا یٰمُوْسٰی فَاَلْقٰھَا فَاِذَا ھِیَ حَیَّۃٌ تَسْعٰی اسے پھینک دو تو موسیٰ نے پھینک دیا (دیکھا) تو سانپ بھاگ رہا ہے۔ "غور فرمایئے موسیٰ کتنے حیران ہوئے ہوں گے۔ لیکن فوراً حکم ہوتا ہے خُذْھَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِیْدُھَا سِیْرَتَھَا الْاُوْلٰی پکڑ لو اور مت خوف کھاؤ ہم اسے اپنی پہلی صورت میں کر دیں گے۔ غور فرمایئے اب بھی موسیٰ علیہ السلام کو شک و شبہ ذات حق میں رہ گیا۔ بلکہ یہ دیکھنا دکھانا کیا تھا، ساری دنیا کی آنکھیں کھل گئیں اور سب کے لئے در حق کھل گیا۔ ایک موسیٰ کا مشاہدہ نہیں ایک دنیا کا مشاہدہ اس سے قائم ہو گیا۔ لیکن اس پر بس نہیں۔ ابھی چند قدم تیقن کے اور بڑھانے مقصود ہیں۔ فرماتے ہیں۔

وَاضْمُمْ یَدَکَ فِیْ جَیْبِکَ تَخْرُجْ بَیْضَاءَ مِنْ غَیْرِ سُوْءٍ اٰیَۃً اُخْرٰی لِنُرِیَکَ مِنْ اٰیَاتِنَا الْکُبْرٰی۔

"اپنا ہاتھ اپنی بغل میں لگالو، تو کسی عیب کے بغیر سفید چمکتا دمکتا نکلے گا۔ یہ ایک دوسری نشانی ہے تاکہ ہم تمہیں نشانات عظیم (بلند) دکھائیں"۔

Marfat.com

دیکھئے اور غور فرمایئے !جب ایسے نشانات دکھائے جو قبضہ انسانی سے باہر تھے اور یہ کہہ کر دکھائے کہ میں تمہارا خدا ہوں، تو اس صورت میں صرف خیالی تصور، تصور نہیں رہ جاتا، بلکہ حقیقی اور واقعی طور پر خدا سامنے آجاتا ہے اور کوئی شک نہیں رہ جاتا۔ لیکن ابھی قصہ مشاہدہ کہاں ختم ہوتا ہے ؟عمر بھر موسیٰ سے لڑائی رہی اور ہر موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے نصرت دکھائی اور وہ معجزات ظہور ہوئے کہ بصیرت عالم دنگ رہ گئی۔ فرعون نے کیا کیا نہیں دیکھا، لیکن مشاہدات قدرت کو دیکھتے ہوئے ہمیشہ نکار کرتا رہا۔ یہاں تک پانی نے گھیرے میں لے لیا اور بے اختیار منہ سے پکار اٹھا اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَااِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْا اِسْرَائِیْل وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ "میں ایمان لایا جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں مسلمانوں (فرمانبرداروں) سے ہوں"۔

غرض موسیٰ علیہ السلام کی تمام زندگی مشاہدات قدرت سے بھری پڑی ہے۔ اور اس پر کیا موقوف، لاکھوں نہیں کروڑوں خدا کے بندے اپنے مشاہدۂ حق سے حق تک پہنچے اور اس درجہ یقین پر پہنچے جس سے آگے یقین کا کوئی درجہ نہیں اور اس یقین حقہ کا صرف درجہ یقین نہیں رہا بلکہ عملی طور پر ثمر آور یہ یقین ہوا۔ خود ہی موحد نہ ہوئے بلکہ ایک امت کو اپنے ثمرات یقین سے بہرہ ور فرما گئے۔ اور ایک امت اور جماعت پیدا ہو گئی۔ اور اس سے ایک خاص تمدن پیدا ہو کر انسانی ارتقاء کے آخری درجہ پر نفسیاتی امتیاز پیدا ہوا۔ ایسی صورت میں کسی کا یہ کہنا کہ نفس کی کہتری سے تصور خدائی پیدا ہوا یا ماحول کی عظمت دیکھ کر انسان کمزور نے ایک سہارا بنایا، معلوم نہیں یہ فلاسفی ہے یا حماقت !کچھ ہو! دنیا میں تصور خدا نے پستی انسان کو وہاں پہنچایا جہاں اخلاقاً اشرافاً انسان وہاں کبھی نہیں پہنچ سکتا۔ موجودہ وقت کا بھی یہ ہی حال ہے۔ جن لوگوں نے اس ہستی حقہ کا انکار کیا، ان کی زندگی ایک وحشت ہے اور ایک پریشانی۔ اجتماعیت (معاشرت) کیلئے فطرتاً

Marfat.com

مخالف۔ کچھ ہو اگرچہ حقیقی ایمان نہیں۔ تاہم ایمانی سہارا آج مہذب دنیا بھی گاہ گاہ لینے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

حضرت ابراہیم اور معرفت الٰہی

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ایک بادشاہ (جسے اپنی بادشاہت پر گھمنڈ تھا) نے ابراہیمؑ کے رب کے بارے دریافت کیا تو حضرتؑ نے جواباً کہا کہ میرا پروردگار مارتا اور جلاتا ہے یعنی زندہ کرتا ہے تو اس نے جواب میں کہا کہ میں بھی اس طرح جلا سکتا ہوں۔ تو فوراً حضرت ابراہیم پلٹ گئے کہ اللہ تعالیٰ مشرق سے مغرب کی طرف سورج کو چلاتا ہے، تم الٹا مغرب سے مشرق کی طرف لوٹا دو۔ یہ ایسی بات تھی کہ جواب تک نہ دے سکتا تھا اور حیران ہو کر رہ گیا (بقرۃ ۲۵۸)۔ معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ سے کہنے کو تو کہہ گئے مگر دل میں ایک وسوسہ پیدا ہو گیا کہ وہ کیسے مردہ کو زندہ کر سکتا ہے؟ اس پر حضرت رب العزت کی بارگاہ میں عرض کر دیا کَیْفَ تُحْیِی الْمَوْتٰی الٰہ العالمین! کیسے تم مردوں کو زندہ کرتے ہو؟ تو اللہ نے فرمایا، کیا تم کو یقین نہیں؟ عرض کیا کہ حضور! یقین تو ہے، لیکن ذرا دل کا اطمینان چاہتا ہوں۔ اس پر حکم ہوا، چار پرندے پکڑ لو اور ان کو ذبح کرنے کے بعد ان کے گوشت کے ٹکڑے کرو اور قیمہ بناؤ، پھر ایک ایک حصہ الگ پہاڑیوں پر رکھ کر پرندوں کو بلاؤ۔ ہر پرندہ بلاتے ہی بھاگتا ہوا آجائیگا۔ (سورۃ بقرہ آیت ۲۶۰)

اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مقدسہ پر تو ایمان فطرتاً حضرت ابراہیم کا تھا، جب کہ بت توڑے تھے، لیکن پھر جب آگ اپنے اوپر گلزار دیکھی تو مشاہدۂ قدرت سے ایمان اور ترقی کر گیا لیکن۔ صفت احیا پر ابھی اطمینان نہ ہوا تھا۔ یہ تو یقین تھا کہ زندگی اسی کی ہے لیکن مردہ کو دوبارہ زندہ کرنے پر اطمینان پیدا نہ ہوا تھا۔ لیکن طلب پر اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں مردہ پرندے زندہ کر دکھائے۔

Marfat.com

صفات کی آڑ میں ذات کا جلوہ

خود سوچئے! یہ صرف ذات حقہ ہی ہے یا عملاً واقعاتی دنیا میں اللہ تعالیٰ اپنی صفات کے ذریعہ سامنے آگیا۔ وہ خود تو ظاہر نہیں ہوتا لیکن صفات کی آڑ میں وہ ہمیشہ جلوے دیتا رہا اور دیتا رہیگا، جن سے اس کی ہستی کا ثبوت کامل ہر زمانے میں ملتا رہا ہے اور کوئی زمانہ دنیا میں ایسا نہیں گذرا جب کہ کوئی مشاہداتی جلوہ نمائی نہ ہوئی ہو اور اس کے پرستار نہ رہے ہوں۔ یکے بعد دیگرے تواتر سے مشاہدات الٰہیہ سے یہ تصور ہمیشہ قائم بالذات چلا آیا ہے اور کسی انکار کی گنجائش کسی کے لئے نہیں چھوڑتی۔ اللہ تعالیٰ جن کو اپنے لئے چن لیتا ہے اور جن کو اپنی معرفت تامہ دینی مقصود ہوتی ہے تو ان کے لئے ہر شک و شبہ کو دور فرماتا ہے اور جو خیال نفی بھی ان کے دل میں پیدا ہوتا ہے یہ اپنے مشاہدات قدرت اور اوصاف جمیلہ سے دور فرماتا ہے۔ دن بہ دن معرفت حقہ بڑھتی جاتی ہے۔ تا آنکہ وہ معرفت ایک جہان کے لئے رہنمائی کا واسطہ بنتی ہے اور درخت ثمر آور ہو نکلتا ہے۔ معرفت صرف معرفت نہیں رہتی بلکہ ایک جہاں نما ہو کر چمکنے لگتی ہے۔

ایک غفلت ہے، ایک دنیاوی حجاب ہے کہ ہم اپنی روح کو بھولے ہوئے ہیں۔ آپ دیکھتے نہیں کہ کسی کو اپنی روح کا احساس تک نہیں۔ فلاسفرین، مفکرین ہر چیز کی حقیقت پرکھنے کے لئے جان دیتے پھرتے ہیں۔ لیکن نہیں تلاش تو اپنی روح کی اور اپنی رُوح کے خواص کی۔ روح کا تعلق بدنی ہے لیکن ساتھ ہی ایک وجدانی کیفیت بھی ہمیشہ سامنے رہتی ہے، جس سے ہماری زندگی ہے۔ یہی حال دنیا اور کائنات کی رُوح کا ہے۔ کائنات کے ذرّے ذرّے میں یہ ذوق و محبت جاری و ساری ہے اور مستانہ وار فطرت انسانی گاتی پھرتی ہے ؎

Marfat.com

مجھ کو ہے تیری جستجو مجھ کو تیری تلاش ہے
جان جہاں کہاں ہے تو مجھ کو تیری تلاش ہے

عبودیت و معبودیت کے جذبے

عبودیت کا جذبہ انسان میں فطرتی ہے۔ لیکن معبودیت کا جذبہ اس میں فطرتی نہیں۔ آپ نہیں دیکھتے کہ خدائی کا دعوے کرنے والے گنتی کے آدمی ہیں۔ وہ بھی اپنے علو کو دیکھ کر اترا گئے۔ لیکن انجام بھی ان کا دنیا کو معلوم ہے کہ کس طرح وہ ذلیل ہو کر مرے اور اپنے آخری لمحوں میں اپنی عبودیت پر اتر آئے اور اپنی معبودیت سے توبہ کی۔ دنیا نے دیکھا اور سنا اور آج تک اس کے قصے مشہور ہیں۔ ہاں یہ جذبہ عبودیت بعض وقت انسان کی فطرت بلند سے اسے گرا دیتا ہے ۔وہ یہ کہ خالق اللیل والنہار پر جب نظر نہیں پہنچتی اور وہ نوری روح کو دیکھ نہیں سکتے تو وہ مادی دنیا میں اس کی تلاش کرنے لگتے ہیں اور اپنی پیاس بجھانے کے لئے کسی مادی صورت کو جلوہ گاہ رحمان خیال کرتے ہوئے اس کے سامنے سر بسجود ہو جاتے ہیں، اور عام گمراہی یہی ہے کہ حقیقت نہ ملنے پر مجاز پر گر جاتے ہیں اور پھر مجاز، مجاز بھی نہیں رہنے نہیں دیا جاتا بلکہ مجاز کو حقیقت کا جامہ پہنایا جاتا ہے۔ تمام کتب سماویہ کا مطالعہ کیجئے۔ اس دھوکہ کو دور کرنے کے لئے تعلیمات نبوت سامنے آتے ہیں۔ مَالَکُمْ مِنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ اللہ کے سوا کون تمہارا خدا ہے۔ تمام سلاسل انبیاء اور رسل کی تعلیمات کا مرکزی نقطہ یہی رہا کہ اللہ تعالی کے سوا کسی دوسرے کی پوجا مت کرو۔ پھر اس ذات حقہ کے صفاتِ عالیہ پیش کئے اور ساتھ ہی اپنے مشاہدات کی تصدیق پیش کی اور بعض مشاہدات قدرت ان کو دکھلائے۔ یہاں تک کہ وہ لوگ مادی خدا کو چھوڑ کر صرف ایک خدا کے پوجاری ہو گئے۔ مادی خداؤں اور مجازی خداؤں کی اتنی کثرت ہے کہ شمار میں نہیں آسکتے۔

Marfat.com

ایسی صورت میں نظام عالم کیسے چل سکتا ہے؟ یہی دلیل اللہ تعالیٰ نے خود پیش فرمائی لَوْ کَانَ فِیْھِمَا اٰلِھَۃ اِلَّا اللّٰہُ لَفَسَدَتَا اگر اللہ تعالیٰ کے سوا اور خدا بھی کوئی ہوتا تو زمین و آسمان ایک مدت سے برباد ہو گئے ہوتے۔ خود سوچئے! جس موقعہ دو احکام چلتے ہوں وہاں کیسے حکومت قائم ہو سکتی ہے؟ اور یہاں صرف ارشاد ہی قوۃ نہیں بلکہ تخلیقی قوت کے کارنامے ہیں۔ اور تخلیقی اشیاء میں جب مقابلہ ہو گا تو تخلیق کیسے ممکن ہے؟ تبھی تو فرماتے ہیں فَسُبْحَانَ اللّٰہِ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ۔ اس اشتراک سے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے یعنی وہ ذات وحدہٗ لاشریک ہے۔ اکیلا ہے اپنی ذات صفات میں، اسی خدمت انسانیہ کے لئے اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو اپنی معرفت تامہ کے لئے چن لیتا ہے وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ اور وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْم۔ یہ کتنا فضل و کرم ہے کہ انسانی ہستی جیسی عظیم المرتبت ہستی کو پہچاننے کے لئے اپنی رحمت خاصہ سے انبیاء اور رسل بھیجتے ہیں اور ان کی تربیت و رشد کے لئے اپنے خواص میں ان کو دخل فرماتے ہیں اور اُن کے لئے اپنی معرفت کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں (پارہ ۷ آیت ۷۶ سورہ انعام)

وَکَذٰلِکَ نُرِیْ اِبْرَاھِیْمَ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِیَکُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ۔

"اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کا انتظام دکھانے لگے تاکہ وہ (کامل) یقین کرنے والوں سے ہو جاویں"۔

ملکوت کا مفہوم

ملکوت کا ترجمہ ہم نے کئی تراجم سے دیکھا لیکن دل پر ابھی تک نہیں بیٹھا۔ لیکن ہم نقل کر دیتے ہیں۔ سورۃ یٰسین کے آخری آیت میں یہی لفظ آتا ہے۔ فَسُبْحَانَ

Marfat.com

الَّذِیْ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ وَّاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ۔ "پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں کامل اختیار ہے۔ (مرنے کے بعد) اسی کی طرف لوٹا کر لائے جاؤ گے"۔ دیکھئے! دونوں جگہ الگ الگ ترجمہ سیاق و سباق کی وجہ سے ہے۔ پارہ ۷ میں ملکوت بمعنی "انتظام" اور ۲۳ میں بمعنی "اختیار" کیا گیا۔

(ترجمہ فتح الحمید الانعام ۷۶ :۔ ہم اس طرح ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کے عجائبات دکھانے لگے۔ ملکوت بمعنی عجائبات..... سورۃ یٰسین :۔ وہ ذات پاک ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہت ہے۔ ملکوت بمعنی بادشاہت۔

ہمارے نزدیک یہ معانی قریب الفہم تو ضرور ہیں لیکن ہمارے ذہن میں تو یہ آیا ہے۔ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ ہر چیز کی ملکوت الگ الگ ہے یعنی قوت متفرقہ و منتظمہ، مدار علیہ حیات کا نام ملکوت ہے۔ مثلاً ایک درخت کے نمود اور حیات میں جو قوت جاری و ساری ہے وہ ہے ملکوت۔ حیات نہیں بلکہ حیات کا مدار علیہ ہے۔ انسان کے اندر حرارت غریزی جس قوت کا نام رکھا گیا ہے وہ قوت ملکوت سے تعبیر کی گئی اور وہ تر و تازہ اور خشک میں یکساں ہے، جس سے صورت پیدا ہوتی ہے اور جسم کی صورت میں متمثل ہوتی ہے۔

پھولوں کی خوشبو پتوں میں ہے، لیکن وہ پتے سے الگ ہے کیونکہ اسے بذریعہ عرق الگ کر سکتے ہیں۔ لیکن پتوں سے الگ اور پانی سے الگ دکھائی نہیں دیتی۔ بلکہ یہ ظہورات کے ذریعہ سے ظہور اختیار کرتی ہے۔ غرض لکڑی، پتھر، پانی، آگ ہر چیز کا الگ الگ ملکوت ہے اور یہی تمام اشیاء کا سہارا اور زندگی ہے۔ وہ روح لطیف اس ذات اقدس کے لطیف نور سے وابستہ ہے جیسے تمام اشیاء کی روح نور الٰہی سے وابستہ ہے۔ جیسے وہ چاہے ویسے ہی ہو جائے۔ حیات و ممات کا مدار اس ذات اقدس کے نور سے وابستہ ہے اور یہی لطیف در لطیف حقیقت ابراہیم علیہ السلام کو دکھائی گئی جس کے اندر خود چھپے تھے اور جس کے دیکھنے کے بعد ذات

Marfat.com

وحدہٗ لاشریک لہٗ کی ذات میں کوئی شک کی گنجائش نہیں رہی۔ بلکہ وہی کچھ بات ہے، جس کے پیش کرنے کیلئے یہ حروف لکھے جارہے ہیں۔

رویۃ بصارت سے ہو یا قلبی رویۃ ہو، ملکوت، نظام عالم قرار دیا جائے یا بادشاہت و حکومت یا عجائبات زمین و آسمان قرار دیئے جاویں، ہمارا یہ مقصد اور مدعا حاصل۔ یعنی وجدانی تصور توذات احد کا ابراہیم علیہ السلام کی اپنی فطرت میں موجود تھا۔ بلکہ یہ وجدانی تصور انسانی فطرت کے ساتھ یعنی خمیر میں موجود ہے۔ لیکن اس وجدان کو کامل یقین پر پہنچانے کے لئے ضرورت تھی کہ آسمان اور زمین کے حقائق کھول دیئے جاویں۔ جیسے کہ کس نکشود نکشاید بحکمت ایں معمہ را، اس راز سربستہ کی حقیقت جب تک مشاہدہ میں نہ آئے عقل کی گرفت میں نہیں آسکتی۔ یہ کیوں دکھائے گئے؟ "تاکہ یقین کرنے والوں سے ہو جاوے"۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یقین پختہ پر ہو گئے اور خدائے واحد کو شرکت کے تصور سے پاک خیال کر لیا۔ لیکن ابھی صورت کا تصور تھا کہ وہ صاحبِ صورت ہے۔ رات آئی، چاند نکلا خوبصورت شکل و شباہت دیکھی۔ خیال آیا یہی خدا ہے جس کے ذریعہ کائنات پیدا ہوئی لیکن ڈوبنے لگا تو حیرت ہوئی کہ خدا کیسے جو ڈوبے؟ پھر اتنے میں آفتاب اپنی کرنوں کے ساتھ جھٹ باہر آگیا تو اسی پر خدائی کا خیال اٹھا، لیکن وہ بھی ڈوبنے لگا اور غائب ہوا تو اب اس کی خدائی سے بھی گئے۔ تارے گئے تو عرض کیا لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ "میں غائب ہونے والوں کو پسند نہیں کرتا چاند غروب ہوا تو فرمایا لَئِنْ لَّمْ یَھْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَکُوْنَنَّ مِنَ الضَّآلِّیْنَ "اگر میرا پروردگار مجھے سیدھا راستہ نہ دکھائے گا تو ان لوگوں میں جا کروں گا جو بھٹکے پھرتے ہیں۔ پھر جب سورج گیا اور غروب ہوا تو کہا یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ "اے قوم! ان تمام معبودوں سے بیزار ہوں جن کو تم شریک خدا بناتے ہو"۔ مقصود یہ ہے جن خداؤں کی صورت گھڑے بیٹھے ہو اور

Marfat.com

جس خدا کی صورت تم نے بنائی ہوئی ہے ان سے بیزار ہوں کیونکہ خدائے قدوس صورت ظاہر کی قید میں نہیں آسکتا۔ جب صورت ظاہر یہ اللہ تعالیٰ اختیار نہیں فرماتے اور وہ اس صورت اور تمثل سے پاک ہیں تو پھر پوجا پاٹ بتوں کی کیسی ؟ اور کسی بندے کو خدا تصور اور یقین کرنا کیسے ؟ دیکھتے نہیں معجزات کے ذریعہ انبیاء اور اولیاء کیسے کیسے اچنبھے کے کام دکھاتے ہیں، جو ان کی قدرت سے باہر ہیں، لیکن چونکہ ان کا تعلق ایک صورت سے ہے، اس لئے یہ صورت خدا نہیں ہو سکتی، بلکہ خدائیت بے صورت اور بے تمثل ہے۔

غرض حضرت ابراہیمؑ کے سامنے اب صحیح تصور خدائی سامنے آگیا اور یہ ہر صورت اور تمثل خدائیت سے بیزار ہو بیٹھے۔ فرماتے ہیں۔

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَالسَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ

"میں نے سب سے یکسو ہو کر اپنے تئیں اس ذات کی طرف رخ کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں سے نہیں" (کہ خدائی تصور ایک صورت میں پابند دیکھوں)

جذبہ عبودیت انسانی فطرت میں موجود ہے

غور کیا جاوے کہ انسانی فطرت کے اندر جذبہ عبودیت موجود ہے۔ جیسے بچہ چھاتی لگانے سے دودھ پینے لگ جاتا ہے، یا دوسرے فطرتی میلان کہ کسی کے جتلائے بغیر اندرونی پیاس اس کا احساس دلاتی ہے، ایسے ہی خدائیت کا احساس ہر فطرت میں موجود ہے۔ ہاں کیف میں فرق ہے، اور کم میں بھی۔ گو وہ ذوالجلال و الجبروت کیف و کم سے پاک ہے۔

Marfat.com

دیکھئے! مشرکین کے اندر بھی یہ تصور موجود ہے لیکن اس تصور پاک کو صورت گھڑنے میں ناپاک بنادیا، اس کی سلطنت کے حصے بخرے کر دیئے، اس کی صفات کو بھی تقسیم کر دیا اور اس وحدت کو پارہ پارہ کر دیا، جس وحدت کے ذریعے یا سہارے کائنات ایک وحدت میں چکر کھا رہی تھی اور کائنات کا ذرّہ ذرّہ اس سے جکڑا ہوا تھا۔

موحد بے خوف ہوتا ہے

وحدت یا وحدانیت کے اندر تمام صفاتِ اُلوہیّت جمع ہیں۔ اور جب کوئی اس وحدت کو تسلیم کرتا ہے اور اس تصدیق کے ساتھ تمام صفات الوہیّت بھی اس کی تسلیم کرتا ہے تو اس ذاتِ اقدس کے پہلو میں آنے سے تمام ارض و سماء کی اشیاء سے بے خوف ہو جاتا ہے، اور ڈرتا ہے تو اس سے، خوف کھاتا ہے تو اس سے، محبت ابھرتی ہے تو اس سے کارسازی اسی کی ہر جا، ہر موقعہ وہی حاضر و ناظر۔ ایسی صورت میں ایک موحد بے خوف و بے خطر اپنی زندگی بسر کرتا ہے اور پورے اطمینان سے زندگی گذارتا ہے نہ اسے بھوک سے پریشانی ہے، نہ پیاس کا خوف، وہ ہر حال میں شاکر رہتا ہے اور جانتا ہے کہ علیم و خبیر، ماں باپ سے بھی مہربان ذات سر پر ہے۔ اس صورت میں وہ ایسے خیال کرتا ہے جیسے ماں کی گود میں کہ ہر آفت سے محفوظ اور ہر شر سے پناہ میں۔ بخلاف ایک مشرک کے، کیونکہ شرک کی بنیاد خوف پر ہے اور شرک ہر چیز سے خوف کھانے سے پیدا ہوتا ہے اور یہ خائف اپنے من گھڑت نہیں بلکہ اپنے ہاتھ سے گھڑے ہوئے بت سے پناہ لیتا ہے۔ کیوں؟ صرف اس وجہ سے کہ اس کے اوسان خطا ہو چکے ہیں اور ذرہ ذرہ سے خوف کھانے سے وقت گذارنے کیلئے دلی تسلی پر خدا کو خدا بنائے رکھتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر وقت وہ پریشان خاطر اور پریشان حال رہتا ہے

Marfat.com

اور کسی وقت خوف وہراس اس کے دل سے نہیں اٹھتا۔

چنانچہ اسی شرک کے خوف کی وجہ سے ایک موحد کو ڈراتے ہیں اور کہتے ہیں، تم بتوں کو چھوڑ رہے ہو، دیکھو! ابھی بتوں کی اس بیزاری کی وجہ سے تم پر کوئی بلا اور مصیبت نازل ہو گی۔ اس نقشہ کو قرآن حکیم میں بیان فرماتے ہیں۔

وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَالَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطَانًا فَاَىُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ ۝

ترجمہ :۔ بھلا میں ان چیزوں سے جن کو تم (خدا) کا شریک بناتے ہو کیوں کر ڈراؤں جبکہ تم اس سے نہیں ڈرتے کہ خدا کے ساتھ شریک بناتے ہو جس کی اس نے کوئی سند نہیں اتاری اب دونوں فریقوں میں سے کون سا فریق امن (اور جمعیت خاطر) کا مستحق ہے اگر تم سمجھ رکھتے ہو"۔

مثل مشہور ہے الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ ایک مشرک قوم اپنے طبعی شرک کے خوف کی وجہ سے ایک موحد کو خوف دلاتی ہے تاکہ خوفزدہ ہو کر پھر شرک کے سانچے میں آجاوے۔ لیکن جس نے کچھ دیکھا اور دیکھا، بھی اسے ہے جو جگ کا مالک ہو اور ہر کا داتا، پھر وہ کیسے ایک بے جان مورتی سے خوف کھاوے۔ بلکہ اس کا یقین کامل آخر تمام مشرک قوم پر غالب آجاتا ہے اور شرک کی ظلمت دور ہونی شروع ہو جاتی ہے اور جہاں سینکڑوں کے سامنے سر جھکانے سے دلی خوف نہیں اٹھتا تھا، وہاں صرف ایک ذات پاک کے تصور و تیقن سے ہر قسم کے خوف دل سے بھاگ جاتے ہیں اور وہ نور سامنے آجاتا ہے جس پر بول اٹھتا ہے اِنِّىْ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِىْ "میں اور میرے ساتھی ایک ہدایت اور بصارت پر ہیں۔ ہمارے پاؤں کبھی لغزش نہیں کھاتے۔ دیکھئے! کتنی بلند آہنگی سے مشرکین کو مخاطب ہو کر

Marfat.com

حضرت ابراہیم بدیں الفاظ فرماتے ہیں فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۔ تم جانو تو دیکھو کون سا فریق امن اور (جمعیت خاطری سے بھرا ہوا ہے اور کون سا پریشان خاطری سے اندر اندر نالاں ہے) خدائے قدوس کا فیصلہ سنیئے۔اس قصہ کے ختم پر فرماتے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ آمَنُو اوَلَمْ یَلْبَسُوا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ اُولٰئِکَ لَھُمُ الْاَمْنُ وَھُمْ مُھْتَدُوْنَ

جو ایمان لائے اور ان کے ایمان کے اندر کسی قسم کا ظلم (شرک) نہ ہو تو ان کے لئے (ہمیشہ) کا امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔

شرک سے پاک کرنے کے لئے دو صفت یاد وانعام فیصلہ خداوندی کے مطابق ہیں۔بلکہ فطرتاً یہی نتیجہ پیدا ہوتا ہے، پہلے امن (جمعیت خاطر) ایسی نصیب رہتی ہے کہ عمر بھر پریشانی نہیں ہوتی کیونکہ ؎

سب کام اپنے کرنے تقدیر کے حوالے
نزدیک عارفوں کے تدبیر ہے تو یہ ہے

آج عارف کو بھی یہ ایک درجہ دیا جاتا ہے۔ورنہ کسی وقت یہ درجہ ہر مسلمان کو نصیب تھا وَلَانَافِعَ وَلَا ضَارَّ اِلَّااللّٰہُ۔ اللہ کے سوا کوئی نفع اور کوئی ضرر پہنچانے والا نہیں۔جب ایمان کی یہ پختگی نصیب ہو جائے تو پھر کسی کا خوف نہیں۔ اس عقیدے والے مرتے وقت ہنستے چلتے ہیں کیونکہ دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ مرنا حق ہے اور وقت مقررہ ہے۔اِذَاجَاءَ اَجَلُھُمْ لَایَسْتَاخِرُوْنَ سَاعَۃً وَّ لَایَسْتَقْدِمُوْنَ جب وقت آجاتا ہے نہ رُکے، نہ تو موخر کئے جاتے ہیں نہ پہلے"۔

فطرت انسانی جس طرح اپنے معبود کی جستجو میں ہی پریشان ہے ؎

Marfat.com

مجھ کو ہے تیری جستجو، مجھ کو تیری تلاش ہے
جانِ جہاں کہاں ہے تُو مجھ کو تیری تلاش ہے
ہر آن اک نیا جلوہ

بعینہٖ اسی طرح رب العزت اپنی جلوہ آرائی کیلئے موقعہ کی تلاش میں ہر دل پاک کو اپنے جلووں سے معمور کرنے کے لئے بے تاب رہتی ہے۔اور ہر گھڑی، ہر آن اپنی جلوہ گاہ اپنی رحمانیت وجباریت کے جلوے دے رہی ہے لیکن کیسے ؟ جیسے بجلی کوندتی ہے۔ گاہ یہاں اور گاہ وہاں۔ ایک آن میں سینکڑوں جگہ جلوہ دیا جارہا ہے اور ہر ایک کے لئے الگ الگ طریقہ، الگ روپ بھرا جارہا ہے کسی کو طور پر دیا جاتا ہے، تو کسی کو عرش بریں پر بلا کر بٹھایا جاتا ہے کسی سے کلام شریف کے ذریعہ اپنی شناخت کے ڈورے ڈالے جاتے ہیں اور کسی کو روح القدس بنا کر اپنا بندہ کہلایا جاتا ہے۔ غرض جتنے نفوس اتنے طریقے اس کی جلوہ آرائی کے دکھاتے رہے۔ جلووں اور ضیاپاشی کی کمی نہیں لیکن آنکھ اور دل حجاب زدہ نہ ہو۔بینائی اور بصارت موجود ہو۔

تیرے ویکھن نوں سکدی جان میری
میرے مولیٰ میرے گھر جھات پاویں
نصیبہ اپنا اچھا نہیں ہے وگرنہ
تیرے جلوے ہن ہر کدائیں

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ شناسائی ابتدائی ہے اور اس کے بعد تعلقات عبودیت اور معبودیت بڑھتے گئے۔ہزاروں کڑیاں پوشیدہ ذات ربی اور اس مخلوق خدا کے درمیان ہوں گی۔ قرآن حکیم میں جو مذکور ہیں یہ صرف ان کو دکھانے کے قابل ہیں۔دوسری شناسائی، واقفیت کی دنیا میں آگ کا گلزار ہو جانا،

Marfat.com

اس کے بعد مرنے کے بعد زندگی کی شکل و صورت بین طور پر دکھانا ہے۔ بہر صورت دن بدن شناسائی کامل ہوتی جاتی ہے۔ لیکن یاد رہے نہ ایک طور ہے نہ ایک جلوہ ہے کُلَّ یَوْم ھُوَ فِیْ شَان ہر آن نئی شان ہے۔ فطرت کاملہ اپنے حسن کے جلوے کی بے تابی سے مجبور ہے، کہ ہر آئے دن کلیم و مسیح پیدا ہوں اور ہر دل، دل محمد مصطفیٰ کا عکس ہو۔ ایک معراج کا ذکر قرآن حکیم میں موجود ہے اور فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْن اَوْاَدْنٰی (دوسرے کمانوں سے قریب تر) کا جملہ اس قربِ حقیقی کا ہے۔ پھر یہ بھی فرمادیا گیا مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی "نہ آنکھ پھری اور نہ حد ادب سے بڑھی"۔ یعنی حقیقی طور پر یہ دیکھا۔ اس صورت میں کوئی بد گمان یہ کہہ دے کہ یہ نفسی دھوکہ ہے، تو کیا وہ خود دھوکہ نہیں کھا رہا؟ واقعاتی دنیا کی روشناس فطرت کیا کچھ عوام و خواص کو نہیں دیکھا اور دھوکہ سے پاک حقیقت کو بیان نہیں کیا؟ ایک جہان اسی حقیقت پر سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہو گیا اور فطرت سلیمہ سے اس ذات اقدس کی تصاویر کو پر کھا اور حق پایا۔ ایک نہیں، لاکھوں نہیں، کروڑوں نفوس اس دولت سے سر فراز ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ اور واقعاتی دنیا میں اس کی بالادستی تسلیم ہو چکی ہے۔ اور انسانی ارتقا کے منازل ان عارفینِ الٰہیہ نے اتنے طے کئے کہ اس کی مثال آج دُنیا میں نہیں ملتی اور نہ ملے گی۔ اور خالق اللیل والنہار کا ڈنکہ بجتا رہا اور بجتا رہے گا۔ کوئی دیکھے سنے، نہ دیکھے نہ سُنے۔

Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

وَحۡدہٗ لَااِلٰہَ اِلَّا ھُوَ

توحید بحیثیت ظہور کی اقسام

توحید قلبی

توحید بحیثیت ظہور کئی اقسام ہو جاتی ہے۔ سب سے اعلیٰ توحید قلبی ہے، جو مشاہدات غیبی سے پیدا ہوتی ہے، اور جس کے ظہور کی بعد کائنات کا ذرّہ ذرّہ خدائی جلوہ سے معمور نظر آتا ہے، اور ہر ذرۂ کائنات تسبیح و تقدیس میں مشغول دکھائی دیتا ہے۔ سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡض وَھُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ۝ کی حقیقی اور عیانی تفسیر کھل جاتی ہے۔ اور کائنات کے ذرّے ذرّے میں ؎

"ہر ورق دفتریست ز معرفت کردگار"

کے مطابق معرفتِ تامہ نظر آجاتی ہے۔ یہ دولت صرف اُن پاک نفوس کو حاصل ہوتی ہے، جن کی خلقت صرف اسی لیے ہوتی ہے اور وہ کسی دوسرے کائناتی امور کی طرف توجہ تک نہیں دیتے۔ اگر یہ رنگ غالب ہو جاتا ہے تو مجذوب[1] کی صورت ہو نکلتی ہے، اور اگر برابر رہتی ہے تو مجذوب سالک[2] کی صورت میں نمودار ہوتی ہے۔ اور یہ سراسر یقین ہوتی ہے۔

Marfat.com

توحید قلبی کے عکس

اس کے بعد اس توحید کے عکوس اور ظلال ہیں، جو ان نفوس قدسیہ کے انوار سے دوسرے قلوبِ انسانی پر وارد ہوتے ہیں۔ گو عکوس ہوتے ہیں اور ظلال، لیکن کیفیت میں یہ بھی ایک گونہ ایسے ہی نظر آتے ہیں جو اصل کے مشابہ ہوتے ہیں۔ اور بہت کم لوگوں کو اصل اور فرع میں فرق نظر آتا ہے۔ ان کے اثرات وبرکات بھی پہلے درجہ کے مشابہ ہوتے ہیں، لیکن کیفیات، اثرات اور قبولیت میں پہلے درجہ سے بہت کم ہوتے ہیں۔ اور یقین اگرچہ نہایت اعلیٰ ہوتا ہے، لیکن یقین کے اندر دراڑیں نظر آتی ہیں۔

عقلی توحید

تیسرے درجہ پر عقلی توحید ہے۔ یہ عقل صحیح سے پیدا ہوتی ہے اور استدلالی طور پر توحید کی تسلیم ہوتی ہے۔ اور ہر امر اگرچہ توحید کے ساتھ جکڑا ہوا معلوم ہوتا ہے، لیکن قلبی کیفیت اس سے متاثر نہیں ہوتی، اور بے خودی وبے شعوری توحیدی پیدا نہیں ہوتی۔ تاہم صاحب توجہ احکام توحید کے سامنے سر تسلیم خم کرتا اور علمی توحید سے فیضیاب ہوتا ہے۔ زبان میں اتنا زور ہوتا ہے کہ ہر مخاطب کو اس کے سامنے چپ کرنا پڑتی ہے۔ لیکن مخاطب کا دل اثر پذیر نہیں ہوتا۔ بخلاف توحید قلبی، کہ زبان پر کچھ آئے نہ آئے، صرف حال سے تاثر پیدا ہو جاتا ہے۔ آنکھ اور ہاتھ سب کے سب متأثر ہوتے ہیں۔ جس پر آنکھ پڑ جاتی ہے، وہی گر جاتا ہے۔ جس سے ہاتھ ٹکرا جاتا ہے وہی دھماکا کھا جاتا ہے۔ اور بن بولے کہے حالات بدل جاتے ہیں۔ اور کسی کی مجال نہیں ہوتی کہ اس کے سامنے سر اٹھائے۔ یا کچھ اور دیکھے۔ ہاں فطرت کے مطابق بعض قلوب کو مقفل کر دیا جاتا ہے، تاکہ وہ متاثر نہ ہوں، اور قدرتِ حقیقی کے مشاہدات کا ظہور ہو۔ جیسے ابو

Marfat.com

جہل اور فرعون کے دلوں کو خود قدرت نے بند کر رکھا تھا۔ لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُم اٰذَانٌ لَا يَسْمَعُوْنَ بِهَا۔ [۳] یا جیسے خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ۔ [۴] یہ اس لیے کہ معجزاتِ توحید کا اظہار ہو۔

عقلی توحید کے عکس

چوتھے درجہ پر عقلی توحید کے عکوس و ظلال ہوتے ہیں، جو علمائے کرام کی خدمت میں بیٹھنے سے حاصل ہوتے ہیں، اور اپنے اصل کے مطابق زور آور ہوتے ہیں۔ اور ایک گونہ توحید عقلی پیدا ہو جاتی ہے لیکن اس کے اندر کوئی اثر قلبی نہیں ہوتا۔ اور نہ مشاہدات پر کوئی اثر پیدا کیا جا سکتا ہے۔ تاہم اپنے ایمان کے اندر ایک گونہ پختگی ہوتی ہے۔ اور ایمان بالغیب کا درجہ ایک گونہ حاصل ہوتا ہے۔ بخلاف درجہ اول کہ وہاں ایمان بالغیب سے عیاں اور مشاہدات تک جا پہنچتا ہے اور غیب کے کڑی کٹ جاتی ہے۔

موجودہ وقت میں ایک اور توحید رسمی پیدا ہو گئی ہے جو پہلے نہ تھی۔ صرف زبان پر توحید ہے۔ نہ قلب متاثر ہے نہ عقل متاثر، نہ ان کے عکوس و ظلال ہیں۔ بس ایک فرقہ ہونے کی وجہ سے توحیدی فرقوں میں بیٹھے نظر آتے ہیں، اور گروہ بندی کی وجہ سے صرف زبان پر شور ہے۔ نہ خود مسلمان ہیں نہ مسلمان بننے کی خواہش ہے، نہ مسلمانوں سے تعلق ہے۔ ایک وقت یہ کچھ ہیں اور دوسرے وقت یہ کچھ اور ہیں، اور پھر یہ کچھ بھی نہیں۔ ہمارے حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ [۵] فرماتے ہیں۔ ”مسلمان ہیں تو مسلمان اور کافر ہیں تو کافر“ یعنی دونوں رنگوں میں نظر آتے ہیں۔ ظاہراً مسلمان باطناً کافر۔ یہ کسی بھی درجے کی توحید نہیں۔ بلکہ اس توحید سے اہلِ توحید کو نقصان پہنچتا ہے۔ توحید بڑھنے

Marfat.com

چڑھنے کی بجائے ایسے لوگوں کی توحید اصل کو بھی گراتی جاتی ہے۔ یعنی افراد اور اُن کے قلوب توحید سے متنفر ہوتے چلے جاتے ہیں۔

توحید بحیثیت ظہور

زمین میں پانی کی طرح توحید کا آبِ حیاتِ قلوبِ انسانی میں بعض وقت بصورت چشمہ پھوٹ نکلتا ہے، اور بلا مجاہدہ ظہور پکڑتا ہے۔ پھر بعض چشمے باافراط پانی دیتے ہیں، اور بعض تھوڑا پانی دیتے ہیں، بعض نہایت صاف اور شیریں ہوتے ہیں، اور بعض مکدر اور نمکین۔ اور بعض خوش ہضم اور بعض ناگوار۔ یہی حالت توحیدی آبحیات کی ہے۔ بعض کی توحید نہایت صاف، سفید، شیریں اور خوشگوار، اور بعض کی ناہموار، نمکین یا شوریلی۔ اور بعض قلوب سے معمولی مجاہدہ سے پھوٹ نکلتی ہے، اور بعض سے بہت بڑے مجاہدہ کے بعد تارے[۶] کی طرح پانی دکھائی دیتا ہے۔ اور بعض قلوب میں توحیدی پانی باوجود بہت بڑے مجاہدہ کے باہر نہیں آتا۔

جیسے زمین کا کوئی حصہ پانی سے خالی نہیں، ایسا ہی فطرتِ انسانی آبحیات توحید سے خالی نہیں۔ لیکن ہر مقام سے نمودار ہونا، یا ظاہر کرنا قدرت کے اختیار میں ہے۔ بعض وقت سالوں مجاہدہ کے بعد کچھ میسر نہیں ہوتا۔ لیکن اچانک جب رحمتِ الٰہی جوش کھاتی ہے تو دِل سے فوارے پھوٹ نکلتے ہیں، اور دنیا سیراب ہوتی ہے۔

توحیدی مقام

پھر جیسے قلوبِ انسانی توحید کے لیے منتخب کئے جاتے ہیں۔ وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ (اللہ جسے چاہتا ہے توحید کے لیے مخصوص

Marfat.com

کر لیتا ہے یعنی چن لیتا ہے)، ایسا ہی زمین کے بعض مقامات اپنے لیے چن لیے، اور ان کو اپنے جلووں سے معمور کر دیا۔ دنیا وہاں جاتی ہے، اور دیکھتے ہی سر بسجود ہو جاتی ہے۔ آنکھوں میں وہ جلوے نظر آتے ہیں، جو سالوں کے بعد دلوں میں جلوہ گر ہونے مشکل ہوتے ہیں۔ یہ مقاماتِ مقدسہ دنیا کے ہر کونے میں پھیلے پڑے ہیں۔ اگرچہ پہلے مقام سے پچھلا زیادہ روشن بھی ہو، لیکن پھر بھی پہلا سجدہ گاہ خلائق رہتا ہے۔ کیوں؟ اس وجہ سے کہ وہ اپنے وقت میں جلوہ گاہِ رحمت رہ چکا ہے۔ ایک گناہ گار لاکھوں گناہ لے کر جاتا ہے، لیکن اس سر زمین پاک کے اندر ایک گھڑی ٹھہرتا ہے تو تمام گناہ دُھل جاتے ہیں۔ کیونکہ رحمت الٰہیہ کی متواتر بارش کسی گندی چیز کو رہنے نہیں دیتی، اور ایک آن میں انسان اپنے تمام گناہوں سے پاک ہو کر قربِ الٰہی کے مدارج میں اپنے آپ کو پاتا ہے۔ یہ مقاماتِ مقدسہ سالوں نہیں قرنوں گزرنے کے بعد بھی ویسے تازہ اور نور سے بھر پور نظر آتے ہیں، اور عرشِ عظیم کے ہم پلہ ہوتے ہیں۔ قرآن حکیم فرماتا ہے :۔

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا
وَّ ھُدًی لِلْعٰلَمِیْنَ ۝

(پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مکہ میں بنایا گیا، سراسر برکت اور ہدایت تمام دنیا کے لیے ہے۔)

ایک بے جان کے ذریعے ہدایت

غور فرمائیے! انسان کی طرح بولنے چالنے والا نہیں۔ پتھر مٹی چونے سے بنا ہوا گھر ہے۔ لیکن مولا کریم اس کی بابت فرماتے ہیں کہ یہ تمام دُنیا کے لیے یا تمام جہانوں کے لیے باعثِ برکت اور باعثِ ہدایت ہے۔ سوچیئے! اور خوب سوچیئے!!! ایک بے جان سے ہدایت کیسی؟ اور بے حس سے برکت کیسی؟ واقعی

Marfat.com

ہدایت اور برکت ہے، اور ضرور ہے۔ کیونکہ قرآن حکیم کے ارشاد کے علاوہ دنیا اس امر کی شاہد ہے کہ بیت اللہ سراسر برکت اور ہدایت ہے۔

حرم پاک کا اک نظارہ

شام کا وقت تھا۔ حرم پاک کے اندر دنیائے عالم کے گوشہ گوشہ سے آکر مسلمان اکٹھے کھڑے تھے اور تکبیر اقامت ہو رہی تھی۔ نظر جو اٹھی تو حرم پاک پر پھر گئی۔ ہر طرف سے یکسو ہو کر دنیائے عالم ایک مرکز کعبۃ اللہ کی طرف متوجہ ہے۔ اور صرف ایک خیال میں خدائے قدوس کی خدمت میں حاضر ہے۔ اس طرف سے عقیدت کے تار کعبہ شریف سے مل رہے تھے، اور دوسری طرف سے کعبہ شریف کے انوار آنکھوں اور دلوں سے ٹکرا رہے تھے۔ آنسو پھوٹ آئے اور جَعَلَ اللّٰہُ الْبَیْتَ الْحَرَامَ قِیَامًا لِلنَّاسَ [۸] کی کیفیت سامنے آگئی اور اقبالؒ کا یہ مصرعہ زبان پر آگیا۔

ہم اس کے پاسباں ہیں، یہ پاسباں ہمارا

سبحان اللہ کیا کیفیت تھی۔ ایک طرف مصرعہ زبان پر تھا، دوسری طرف رقت طاری تھی۔ وہ دن گیا اور آج کا دن آیا، یہ کیفیت بدستور سامنے ہے۔ کعبہ شریف اگر مرکز نہ ہوتا، تو ایک مدت سے شیرازۂ اُمت بکھر چکا ہوتا۔ لیکن یہ مرکزیت سالوں اور قرنوں بعد بھی انشاء اللہ تازہ بتازہ رہے گی۔ دُنیا آئے گی اور جائے گی لیکن یہ قِیَامًا لِلنَّاس اپنی شان و شوکت کے ساتھ تا لبد الآباد اپنی توحیدی شعاؤں سے دلوں کو منوّر کرتا رہے گا۔ دنیائے اسلام اس کی ہو گی اور یہ دنیائے اسلام کا ہو گا۔ مسلمانوں عالم اس کی آبرو ہیں اور یہ مسلمانوں کی آبرو اور حرمت ہے۔ لیکن یہ ہے کیا؟ بے جان کوٹھا۔ لیکن اسرار الٰہیہ کا مخزن۔ کیوں؟ صرف ابراہیمؑ اور اُن کی ذرّیت کی برکت سے۔ ورنہ یہ ویرانہ تھا، اور دُنیائے عالم سے

Marfat.com

الگ بے آب و گیاہ پتھریلی زمین کا ایک ٹکڑا تھا۔ لیکن آج اس کے ایک ایک ذرّہ سے ھوھو، کی آواز آتی ہے۔ اور ہر ذرۂ خاک سے صدائے لا الٰہ اِلاَّ اللّٰہُ گونجتی ہے۔ کوئی حج کو فریضۂ الٰہی سمجھ کر جائے، تو جائے، ہم تو اسے مقامِ عشق کی قربان گاہ خیال کرتے ہیں اور اپنی جان نثار کرنے کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔ ؎

یہ شہادت گہِ اُلفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

جس پر فضل و کرم ہو گیا، اور قربانی قبول ہو گئی، وہ ہمیشہ کی خلاصی پا گیا۔ اور جسے قبول نہ فرمایا گیا وہ بیشک فریضۂ حج تو ادا کر آیا، لیکن دیکھنے کی تڑپ تو نہ بجھ سکی، پیاس بدستور اندر کھولتی رہی۔ اور سچ یہ ہے گئے تو تھے اسی کے لیے، لیکن نظرِ کرم نہ ہوئی۔ حرم پاک میں اُس کی طلب میں آنکھیں اُٹھتی رہیں۔ منیٰ میں حاضری ہوئی، تو اُس کی تلاش میں سجدے کیے۔ عرفات میں پہنچے تو بار بار اٹھتے بیٹھتے رہے۔ خدا معلوم لوگوں نے کیا کیا لیا۔ لیکن افسوس ہماری مراد پوری نہ ہوئی، اور جیسے گئے تھے ویسے واپس ہوئے۔ اب بھی تڑپ ہے۔ وہ فضل فرمائے تو مرنے سے پہلے اسے دیکھ پائیں، جس کے لیے کھوٹے کھرے سجدے کرتے رہے ؎

نہ قیام سے مجھے کام تھا نہ سجود سے مجھے تھی غرض
کسی نقشِ پا کی تلاش تھی جو جھکا رہا میں نماز میں

جب اندر کوئی طلب یا آرزو کھولتی ہے تو مجبوراً انسان کی زبان پر آجاتی ہے۔ کوئی سنے یا نہ سنے، کوئی ہمدرد بنے یا نہ بنے۔ غمگسار ہو یا نہ ہو۔

درد بلاتا ہے اور زبان بولتی ہے۔ جب میں حج کر کے واپس آگیا تو بے اختیار اپنا رونا اکثر احباب کے سامنے رو دیتا ہوں۔ حالانکہ میں جانتا ہوں، کہ ان کے اختیار میں میری امداد نہیں۔ چنانچہ جب میں بلا حصولِ دیدار واپس آیا، تو بے اختیار گاہ بگاہ احباب سے ذکر آیا۔ ایک مہربان جو عالم بھی ہیں، حاجی بھی اور صوفی

Marfat.com

بھی، ان کو ایک خط لکھ دیا۔ لیکن افسوس کہ انہوں نے جواب اب تک نہ دیا۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہو گی کہ وہ رضا جوئی سے بڑھ کر آگے نکلنے کو جرم خیال کرتے ہیں۔ لیکن یہاں رضا جوئی دیدار طلبی کے بعد نظر آتی ہے۔ جب ان کو دیکھا ہی نہیں تو رضا جوئی کیسی! ہم تو اس کے دیکھنے کے لیے یہ سب کچھ کر رہے ہیں۔ ورنہ وہ مولا اور ہم بندے۔ کچھ بھی ہو، ہم اس کے سوا کہاں جائیں گے، اور اس کی رضا کے بغیر ہمارے لیے کیا ہو گا۔ اس کا عتاب بھی رحمت اور رحمت [۹] بھی رحمت۔ وہ سراسر خیر، اور ہم سراسر شر۔ اس کی خیر ہمارے شر پر غالب۔ اور ہمارا شر اُس کی خیر سے مغلوب۔ اب خط ملاحظہ ہو۔ یہ بھی کیف ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لَا تُدرِکُہُ الْاَبصَارُ وَھُوَ یُدرِکُ الْاَ بصَارَ
وَھُوَ اَللَّطِیفُ الْخَبِیرُ

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی
اب تو آجا اب تو خلوت ہو گئی
ما و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوانِ عشق
اُو بصحرا رفت و ما در کوچہ ہا رسوا شدیم

میرے مہربان و محسن حکیم صاحب زاد شرفہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

گاہ بگاہ آپ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے، تو کلمۂ خیر آپ کے لیے نکل جاتا ہے۔ نہ اس لیے کہ آپ میرے محسن و کرم فرما ہیں بلکہ اس لیے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے جس راہ کے لیے چن لیا ہے، وہ راہ خاص ہے، عام نہیں ؎

سرمدِ غم عشق بوالہوس را ند ہند
سوزِ غم پروانہ مگس را ندہند

Marfat.com

عمرے باید کہ یار آید بکنار
ایں دولتِ سرمد ہمہ کس را ندہند

خدا کرے کہ کسی دن اسے دیکھ پائیں جس کے دیکھنے کی آرزو میں یہ تمام سجدہ ریزیاں اور جبہ سائیاں ہیں۔ اُس کی تلاش اور جستجو میں حجاز کا سفر کیا تھا۔ لیکن آہ! بد قسمت وہاں سے بھی خالی مطلب آیا۔ اور جو کچھ دیکھنا چاہتا تھا، دیکھنا نصیب نہ ہوا ۔اب کروں تو کیا کروں۔ انتہی

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِاللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَواعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ

(تحقیق صفا اور مروہ (کی پہاڑیاں) اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں۔ پس جس نے حج کیا یا عمرہ ادا کیا۔ اگر اُس نے دونوں طرف کا طواف (چکر) کر لیا تو کوئی حرج کی بات نہیں۔ پس جس نے نیکی (کے ارادے) سے چکر کاٹے تو یقیناً اللہ قدر دان جاننے والا ہے۔)

اللہ تعالیٰ کا صفا و مروہ کو اپنی نشانیاں کہنا کوئی معمولی بات ہے؟ کتنی بلند اضافت ہے۔ اور بہت ہی بلند نسبت ہے۔ لیکن ہے کیا؟ وہ پہاڑیاں جن کے اندر حضرت ہاجرہؓ پیاس کے مارے ادھر اُدھر دوڑتی پانی تلاش کرتی تھیں، اور پانی نہیں ملتا۔ ایک طرف یہ پیاس کی گھبراہٹ دوسری طرف بچے کا بلبلانا۔ اس حال میں رحمتِ خداوندی نے جوش مارا۔ اور زمزم کا پانی زمین سے اُبل آیا۔ مولانا رُومؒ خوب کہتے ہیں ؎

آب کم جو تشنگی آور بدست
تا ترا آب آید از بالاؤ پست

Marfat.com

دنیا میں واویلا ہے، کوئی اچھا آدمی نہیں ملتا۔ لیکن جب پیاس صادق نہیں تو اچھا آدمی کیسے ملے۔ یہی حالت کسی زمانے میں اپنی تھی۔ لیکن جب پیاس بڑھی، اور طلبِ صادق کی وجہ سے آنسو بہنے لگے، تو جاتے جاتے بارگاہ حضرت قبلہ مرشدمؒ کی حاضری ہو گئی۔ اور ایسی حاضری ہوئی کہ قربان جاؤں، آج تک آنکھوں سے وہ نور اوجھل نہیں ہوتا۔ بے ادبی معاف! سچ تو یہ ہے کہ حرم پاک میں بھی یہ حضوری نصیب نہ ہوئی، جو وہاں کے تاریک حجرے کی چٹائی پہ بیٹھے نصیب ہوئی تھی۔ اس لیے نہیں کہ حرم پاک کا درجہ ان سے بلند نہیں ہے۔ نہیں! بلکہ اس لیے کہ طلب صادق پر جب دیدار ہوتے ہیں تو قلب و جان کے تمام احوال بدل جاتے ہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا۔

مکے بھی گیا پر نہ گیا شوق ہوں کا
زمزم بھی پیا پر نہ بجھی پیاس جگر کی

جو طلبِ صادق لے کر حاضر ہوتے ہیں، ان پر مولائے کریم کے جلوے متواتر بارش کی طرح برسنے شروع ہو جاتے ہیں، اور ہر آن اور ہر گھڑی تجلیاتِ الٰہی میں گزرتی ہے۔ لیکن جب جلوۂ الٰہی کی تڑپ ہی نہ ہو اور دیدار کی طلب ہی نہ ہو، تو پھر کیسے جلوے نظر آئیں!

غرض حضرت ہاجرہؓ کی دوڑ دھوپ اور مضطربانہ حال اتنا پسند آیا، کہ ملت کے لیے یہ دوڑ واجبات میں کر دی گئی، اور ان پہاڑیوں کو اپنے نشانات کہہ کر ان کی عظمت کا سکہ قلوب انسانی پر بٹھا دیا گیا۔ پہلے فرمایا: فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ انْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا، کہ ان کے طواف میں کوئی حرج نہیں۔ وجہ یہ تھی کہ اسلام سے پہلے وہاں دو بت رکھ دیئے گئے تھے، اور لوگ ان دونوں بتوں کے درمیان دوڑتے تھے۔ اہل اسلام نے خیال کیا، کہ اب ان کے درمیان دوڑنا اچھا نہیں۔ لیکن اسلام نے شعائر اللہ میں صفا اور مروہ کو داخل فرما کر ان کے طواف کو

Marfat.com

واجبات میں داخل کر دیا، اور بُت اُٹھوا دیئے۔

اس سے صاف پتہ چلتا ہے، کہ صفا و مروہ کی عزت و عظمت حضرت ہاجرہؓ کی دوڑ دھوپ سے تھی۔ اور بدستور اسلام نے قائم رکھی۔ الٰہی نشانیاں کہنا کوئی معمولی بات نہیں۔ لیکن ہے کیا؟ وہی پتھر کی دو بے جان پہاڑیاں۔ جن کو حضرت ہاجرہؓ کی دوڑ دھوپ نے باجان کر دیا، اور کروڑوں نفوس کے لیے مناسک حج بنا دیا۔ لیکن ہمارے دوست ان پہاڑیوں کو تو ذرا عظمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں لیکن حضرت ہاجرہؓ کی قبر کو شاید دیکھنا بھی پسند نہ کرتے ہوں گے کہ قبر پرستی ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ؎

فاتحہ مرقد ویران پہ بھی پڑھتے جانا
اُن سے کہہ دو جو ہیں اس راہ سے گذرنے والے

مقامؑ ابراہیم قابلِ احترام ہے، لیکن قبر و مزار حضرتِ ابراہیمؑ پر جانا شرک ہے جس کے اندر ابراہیمی جسم ہمیشہ کے لیے زیرِ خاک ہے! یہ مقام تعجب ہے!

وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا

(اللہ کے لیے لوگوں پر بیت اللہ (اللہ کے گھر) کا حج واجب ہے۔ جسے راستہ کی طاقت ہے)

حج کیا ہے؟ عشق بازی کی امتحان گاہ ہے، اور جان بازی اور جان سپاری کے آداب اور طریقے! ؎

جو سیس تلی پہ دَھر نہ سکے وہ پریم گلی میں آئے کیوں

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چھری پکڑی۔ اپنی اور پیارے اسمٰعیل کی آنکھیں باندھیں۔ چھری چلائی۔ گلا کاٹا۔ اور سمجھے خدائی حکم میں پورا اترا ہوں۔ لیکن جب آنکھ کھول کر دیکھا، دنبہ تڑپ رہا تھا۔ اور اسمٰعیل ذبیح اللہ ہونے کے

Marfat.com

باوجود صحیح و سلامت کھڑے تھے۔ عام خیال یہ ہے کہ جب چھت لٹایا گیا، تو منظوری ہو گئی اور دنبہ اُن کی جگہ پیش کر دیا گیا۔ ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں۔ بلکہ آپ نے تو اپنے بیٹے کے گلے پر چھری پھیر دی تھی۔ یہ قدرتِ کاملہ کی عنایت تھی، کہ ابراہیمؑ نے تو ذبح کر دیا۔ لیکن مولا کی کریمی کہاں تھی؟ جھٹ آگئی۔ یہ امتحان میں پورے اتر گئے۔ (اب جان نہیں تو امتحان کیا ہو گا؟ اور رحمت کاملہ کیا ہو گی؟[۱۰]) بلکہ دنیا کو دکھا دیا، کہ چُھری پھیریں اسمٰعیل پر اور تڑپتا دیکھیں دُنبہ بہشتی۔ یہ ہیں آدابِ حج اور یہ ہے طریقۂ حج۔ منیٰ سے عرفہ گئے۔ شکریئے ادا کیے۔ اور مولےٰ کے شہودی جلوے پائے۔ عام مشہور ہے، حضرت حوا اور حضرت آدم علیہما السلام یہیں ایک مدّت کے بعد ملے اور ایک دوسرے کو اس موقعہ پر اور اس تاریخ کو پہچانا تھا۔ لیکن حق یہ ہے، کہ یہ خدائے قدّوس کی شناسائی کا دن ہے، اور خدا کی معرفت کی وجہ سے اسے عرفہ کہا جاتا ہے۔

حرم پاک میں نبی کریم ﷺ کی وارفتگی کا عالم

لیکن اب نبی کریم ﷺ کے حج مبارک پر ایک طائرانہ نظر ڈالیئے۔ کس شوق سے مدینہ سے تیاری ہوتی ہے، اور ذوق سے سفر میں کٹتی ہے۔ اور پھر کس ولولہ سے داخل مکہ مکرّمہ ہوئے۔ طواف کیا ہے؟ وفورِ شوق سے چکر پہ چکر ہے۔ جب حجر اسود کو چوم کر نکلتے ہیں تو بے اختیار ملتزم سے چمٹ جاتے ہیں، جیسے کوئی بچھڑا ساتھی اور رفیق محبوب کو ملتا ہے۔ اور منہ سے بے اختیار دعائیں نکلتی ہیں کہ سننے والے کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ سراسر ذوق، سراسر شوق ہو کر پھرتے ہیں۔ اور اصحابؓ رسولؐ ہیں کہ ہو بہو بے جان صورتیں آپؐ کے نقشِ قدم پر اپنی جاں نثارانہ صورتوں سے طواف کر رہے ہیں۔ یہی حال منیٰ جانے کا ہے یہی عرفات پہنچنے کا۔ تمام کے سینے محبتِ الٰہیہ اور محبتِ رسولیہؐ سے پُر ہیں، اور

Marfat.com

آنکھوں سے نور کے فوارے ابلتے ہیں۔ نہ کھانے کے لیے کچھ سامان ہے، نہ راستہ کے لیے سواری ہے۔ بس ایک دل ہے، جو بارگاہِ قدس میں آتا جاتا ہے۔ نہ دھوپ کی پرواہ نہ پیاس کا خیال ہے آج کا مکہ نہیں، منی نہیں، عرفہ ہیں جو سب کچھ مہیا ہو۔ پھر ایک پر ایک منسک [۱۱] چلا آتا ہے۔ اور ایک منٹ کا وقت خالی نہیں۔ یہ تھا وہ شوق جو دنیا کو کھا گیا، دنیائے عالم کو مسخر کر گیا۔ ورنہ آج کئی گنا حاجی حج پر جاتے ہیں، لیکن وہ لے کہاں ؟ اور وہ پروانگی اور وارفتگی کا عالم کہاں ؟ دل ہیں تو سرد، آنکھیں ہیں تو بے نور، جسم ہے تو ڈھیلا، پیٹ ہے تو بھر پور۔

خیال اپنا اپنا

حجرِ اسود کا چومنا یمین اللہ [۱۲] سمجھ کر عبادت ہے۔ ملتزم (یعنی باب کعبہ اور حجرِ اسود کا درمیانی حصہ) کعبہ شریف سے چمٹنا عبادت ہے، رکن یمانی کو ہاتھ لگانا توحید ہے، لیکن کعبۃ اللہ شریف کی کسی دوسری جگہ کو چومنا بدعت ہے۔ روکنے والے کھڑے ہیں، کسی دوسری جگہ کو تبرکاً چھوا جائے۔ کیا خوب! کسی کے ہاتھ تو متبرک ہو سکتے ہیں، لیکن قدم متبرک نہیں ہو سکتے ؟ پھر کعبہ تو سرا سر نور ہے ہاتھ پاؤں سے پاک ایک جیسا نظر آتا ہے۔ لیکن خیال اپنا اپنا۔ ہم تو یہ سمجھتے ہیں۔ کہ جہاں بھی وفورِ شوق تیز ہو جائے۔ وہیں سے اس کا بوسہ لیا جاوے۔ نہ حجرِ اسود کی تخصیص ہے، نہ کسی دوسری جگہ کی۔ ہاں صاحب "لَوْلَاکَ لَمَا" وفورِ شوق میں حجر اسود کو پہلے بوستے، اور چکر کے بعد ملتزم سے لپٹتے۔ سبحان اللہ! کیا اشتیاق تھا۔ کیا محبت تھی، کہ لپٹ لپٹ کر آنسو بہاتے۔ لیکن اس سے بڑھ کر یہ دیکھا کہ صاحب "لَوْلَاکَ لَمَا" کے روضہ اقدس کو ہاتھ تک لگانا ناجائز۔ دُور سے کھڑے ہو کر سلام پڑھیئے۔ آخر صلوٰۃ و سلام اگر جائز ہے تو پھر غلاف بوسی کا کیا حرج ؟ اشتیاق و محبت تو یہی چاہتا ہے، کہ سلام و صلوٰۃ کے ساتھ غلاف بوسی

Marfat.com

بھی ہو۔ نماز میں کلماتِ دُعائیہ آپ زبان سے پڑھتے ہیں، لیکن رکُوع و سجود کیوں کیا جاتا ہے ؟ اس لیے کہ صرف پڑھنے میں وہ لطف نہیں جو پڑھنے کے ساتھ رکوع و سجود و قیام میں ہے۔ محبوب سے باتیں بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن باتوں باتوں میں آنکھیں بھی دوچار ہو جائیں، اور ہاتھ میں ہاتھ بھی آجاوے یا جسم کے کسی حصہ کا لمس (چھونا) نصیب ہو جاوے تو پھر عشق و مستی کا کیف دوبالا ہو جاتا ہے، اور دنیاومافیہا سب بھول جاتے ہیں۔

جب سے روضۂ اطہر پر قدغن (روکاوٹ) ہوئی وہ اشتیاق، وہ والہانہ محبت کے نقشے سامنے نہیں آتے، جو کبھی لوگ دیکھا کرتے تھے۔ ایک پاسبان کا خوف دُوسرے طریقۂ اشتیاق کی تبدیلی۔ لیکن ہمارے بھائی اس کو توحید خیال کرتے ہیں۔ بھلا اس کو توحید سے کیا نسبت ؟ احکام توحید اتنے تنگ بھی نہیں، جتنے یار لوگوں نے تنگ کر رکھے ہیں۔ کاش حد سے تجاوز کرنے والے اور حد احترام سے باز رکھنے والے صلح کر جاتے، تو یہ دونوں جہاں آباد ہوتے اور اپنے پورے نور سے دنیا کو روشن کرتے، دل مست اور نگاہیں مخمور ہو کر نکلتیں۔

Marfat.com

قبر پرستی

قبر پرستی مذموم سہی ،اور کوئی پسند نہیں کرتا ، لیکن وفورِ محبت اور ازیا د شوق میں کوئی روضۂ مبارکہ کی جالی چوم لے یا ہاتھ لگا کر اپنا دِل ٹھنڈا کر لے ، تو کیا حرج۔ بلکہ ہمیں تو دین ہی دین نظر آتا ہے۔ اس کے اندر کون ہے ؟ محبوبؐ خدا ہے ، رسولؐ خدا ہے۔ مشرک تو تب ہو ، جب کوئی محمد ﷺ کو خدا سمجھے ، اللہ سمجھے ۔جب سے اسلام آیا ، اور جب سے روضۂ اطہر کے گرد لوگ چلنے پھرنے شروع ہوئے ، اس وقت سے آج تک کسی نے رسولؐ کی ذات کو خدا نہیں سمجھا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے بھی تو جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی پیشانی مبارک کو بوسہ دیا تھا۔ بلکہ آپؐ تو عالم بالا میں تشریف لے گئے ، اور نقش مبارک کا بوسہ لیا۔

کیا یہ بھی بدعت ہے ؟ یا شرک ہے ؟ اور جب چہرۂ مبارک حاضر نہ ہو ، اور زیر زمین جسم مبارک ہو تو قبر کو چوم لیا جاوے یا روضہ کو ، تو عین وہی بات نہیں جو صدیق اکبرؓ سے وفورِ محبت میں سرزد ہو گئی !

مکاں کا شرف مکیں سے

عرب کا بدوی اپنی محبوبہ کے خالی مکان سے گزرتا ہے ، کیونکہ عرب قبائل آب و گیاہ کی وجہ سے اکثر خانہ بدوش رہتے ہیں ، تو خالی مکان کی دیواروں کو بوسہ پہ بوسہ دیتا ہے اور کہتا ہے ؎

Marfat.com

اَمُرُّ عَلَی الدِّیَار دیَار لَیلٰی
اُقَبِّلُ ذَاالْجدَار وَ ذَاالْجدَارَا
وَمَاَ حُبُّ الدِّیَار شَغَفُنَ قَلْبِیْ
وَلٰکِنْ حُبُّ مَنْ سَکَنَ الدِّیَارَا

(ترجمہ) میں ایک گھر یعنے لیلیٰ کے گھر سے گزرنے لگا۔ تو میں کبھی اس دیوار کو کبھی اس کو بوسہ دیتا۔ گھر کی محبت تو میرے دل کو کھانہ گئی تھی۔ بلکہ گھر کے رہنے والے کی محبت کا اثر تھا۔

اس بدوی شاعر نے کیا خوب فیصلہ دیا، کہ مکان سے جو محبت ہو گئی یا محبت سے جو دیواریں چوم رہا ہوں، یہ مکان کے لیے نہیں بلکہ صاحب مکان کے لیے۔

جس کے ہاتھ چومتے ہیں یا قدم چومتے ہیں، یہ اس جسم خاکی کے لیے نہیں بلکہ اُس نور حقیقی کی جھلک کے لیے، جو تمام دنیا کا نورِ مطلق ہے ؎

کعبہ بنگاہِ خلیل آذر است
دل گزر گاہِ جلیلِ اکبر است

محبت کے آثار

تو کیا یہ توحید نہیں اور کیا یہ بت پرستی ہے؟ رسالت مآب ﷺ کی ذاتِ اقدس، جو نورِ مطلق کی نیابت فرمانے کے لیے تشریف لائے، جن کا سینہ مبارک انوارِ الٰہیہ کا مخزن اور رحمتِ الٰہیہ کا نمونہ تھا، جن کی زبان سے کلامِ الٰہی دنیا میں ظہور پذیر ہوا، جو سراسر توحید ہے اگر ان کے قالب کو بوسہ دیا جائے، یا ان کے مسکن و مدفن کو مقدس خیال کیا جاوے تو کونسی بدعت ہو گی؟ یہ بوسے اور

Marfat.com

یہ تقدس کس لیے ؟ صرف ذاتِ ربیؐ کی نسبت نہیں تو اور کس کی ہے ؟ خود سوچیئے اور غور فرمایئے ! اگر اسے بدعت خیال کیا جاوے تو اس حدیث کا کیا مطلب اور کیا معنے "لاُ یُؤمِنُ اَحَدُکُمُ حتّٰی اَکُوْنَ اَحُبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَلَدِہٖ وَوَالَدِہٖ وَالنَّاس اَجْمَعِیْنَ" (تم میں سے کوئی بھی مومن نہیں ہوتا، جب تک بیٹے باپ اور تمام آدمیوں سے زیادہ مجھ سے محبت نہ رکھے)۔ تو محبت کا تقاضا یہ نہیں کہ ان کے روضۂ مبارک کو چوم لیا جاوئے ؟ ورنہ محبت کے آثار کیسے نظر آسکتے ہیں۔ اتباع اور چیز ہے اور محبت اور چیز ہے۔ لکھی پڑھی دنیا جانتی ہے کہ محبت کا تعلق دل سے ہے، اور محبت کے آثار وہی ہیں جو بیان کیے گئے۔ اتباع محبت اور غیر محبت سے بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن اضطراری جذبات کا ظہور تو صرف محبت سے ہوتا ہے اور اس اضطراری جذبات کو برا کہنا عقلمندی کے بر خلاف ہے۔ خود نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ میں صحابہ کرام سے ایسے افعال اضطراری محبت کے طور پر ظہور پذیر ہوتے رہے، اور آپ ناراض ہونے کی بجائے خوش ہوتے رہے۔ لہٰذا کوئی محبوب محبّ کے آثارِ محبت پر بھی ناراض ہوتا ہے ؟ ہاں جب حدِ ادب سے متجاوز ایسے افعال ہو جائیں اور محبوب کی طبع کے خلاف ہو نکلیں تو بے شک ناراضگی کا باعث ہوتے ہیں۔ لیکن بوسنا اور محبت سے ہاتھ لگانا تو پسندیدہ افعالِ محبت ہیں۔ یاد یکھ کر آنسو پھوٹ آنا، محبت نہیں کیا ؟

ہمارے پڑھے لکھے دوست نبی کریم ﷺ کے بارے اتنی محبت کے اظہار کو بھی پسند نہیں کرتے، جتنی ایک بدوی سے اپنی محبوبہ کے گھر پر حاضر ہونے سے ظہور پذیر ہوئی۔ اب کوئی سوچے، تو کیا یہ محبت ہے کہ ایسے افعال و احوال محبت کے ظہور کو قابلِ نفرت ٹھہرا کر محبت کو نفرت سے بدل دیا جاوے، اور اظہار نفرت کرنے کے بعد اپنے آپ کو محبّ رسولِ خدا کہا جاوے۔

روضۂ اقدس اور مدفنِ رسالت کو اللہ تعالیٰ اور رسولؐ کو عزت دینی

Marfat.com

منظور نہ ہوتی اور اس کے لیے تعظیم پسند نہ ہوتی، تو پچاس ہزار نمازوں کا ثواب کبھی بھی مسجد نبویؐ کے لیے نہ رکھا جاتا۔ یہ مانا کعبہ شریف کے برابر نہ سہی۔ لیکن کعبۃ اللہ اور حرم پاک سے دوسرے درجے کا ثواب تو صرف مسجد نبویؐ کے واسطے عطا ہوا کہ مسلمان آئیں اور مسجد نبویؐ کے اندر نماز پڑھیں اور چالیس نمازوں تک قیام یہاں کریں، تاکہ روضۂ اقدس اور مدفنِ پاک سے فیوض اور انوار سے بھر پور ہو کر واپس ہوں۔ ورنہ زیارت تو ایک دن بھی کافی تھی۔ پھر اس کہنے کا کیا مطلب؟ مَنْ زَارَ قَبْرِی فَکَانَّمَا زَارَنِی فِی حَیَاتِی۔ اگر اپنی قبر کو منظور خلائق بنانا مقصود نہ ہوتا، تو یہ کیوں کہا ہوتا۔ پھر اس سے بڑھ کر فرمایا مَنْ زَارَ قَبْرِی وَجَبَتْ لَہٗ شَفَاعَتِی .(جس نے میری قبر کی زیارت کی اُس کے لیے میری شفاعت واجب ہو گئی) یہ ترغیب و تحریص تو اس لیے ہے کہ لوگ یعنی مسلمان آئیں اور اس چشمۂ فیض سے فیض اُٹھائیں۔ اب اسے آپ قبر پرستی پر محمول کریں یا دین پرستی پر۔ شیخ سعدیؒ نے اس خیال کو نہایت لطیف پیرایہ میں بیان کیا ؎

گلے خوشبوئے در حمام روزے
رسید از دستِ محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری
کہ از بوئے دل آویز تو مستم
بگفتا من گلِ ناچیز بودم
و لیکن مدتے با گلؑ نشستم
جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

(ترجمہ) خوشبودار مٹی حمام میں ایک محبوب سے میرے

Marfat.com

ہاتھ آئی۔ میں نے اُس سے کہا، کہ تُو مشک (کستوری) ہے
یا عنبر ہے کہ تیری دل لبھانے والی خوشبو سے مست ہو رہا
ہوں۔ اس نے جواباً کہا، میں تو ناچیز مٹی ہوں۔ لیکن ایک
عرصہ پھول کے ساتھ بیٹھی رہی ہوں۔ ہمنشین کی خوشبوئے
جمال نے مجھ میں اثر کیا ورنہ میں تو وہی مٹی ہوں۔

نسبت کا اثر

غور فرمایا جاوے! جب مٹی پھول کی صحبت سے پھول کی خوشبو سے بھر گئی، تو قالب روح کی معیت اور صحبت سے کیوں نہ متاثر ہو گا۔ جتنی روح بلند ہو گی اور جتنا روح کو اللہ تعالیٰ سے تعلق ہو گا، اتنا ہی قالب متبرک اور مقدس ہو گا۔ روح تو مرنے کے بعد ہی چلی جاتی ہے، قالب بے جان پر جنازے کیسے؟ اور اس کے لیے دفن کیسی؟ اگر اسلام قالب بے جان انسانی کو بے قدر جانتا تو دوسرے مذاہب کی طرح اسے جلانے کا حکم دیا جاتا، اور راکھ بنا کر اڑا دیا جاتا۔ بلکہ دفن کیا جاتا ہے اور قبر کا نشان بنایا جاتا ہے۔ اور اس نشان کی ایک ادبی توقیر ہے کہ اس پر نہ بیٹھے اور کوئی ایسی حرکت نہ کی جاوے جس سے ذلت کا ظہور ہو۔ اس لیے کہ قالب بے جان کی بھی حرمت منظور ہے۔

ہندو مذہب جس کا بنیادی فلسفہ میت (لاش) جلانے کا ہے، وہ ان لوگوں کے جسم کو جلاتا نہیں جنہیں مقدس خیال کیا جاتا ہے اور جن کو توحید کے ساتھ خاص تعلق ہوتا ہے۔ بلکہ سمادھ بنا کر ان سے فیض لینے کے سامان پیدا کیے جاتے ہیں۔ چہ جائیکہ اسلام اپنے مربی اور اپنے محسن نبیوں کے جسم مبارک کو فنا ہونا پسند کرے۔ احادیث میں وارد ہے کہ مٹی ہمارے قالبوں اور جسموں کو نہیں کھائے گی۔ اور کلی فنا نہ ہوں گے آخر یہ عزت کیوں دی گئی، اور ایسے کیوں کیا گیا؟

Marfat.com

وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ (پارہ ۱۷ رکوع ۱۲)

ترجمہ : (اونٹ کی قربانی کہ بنایا ہم نے ان کو تمہارے واسطے اللہ کی نشانیاں۔ تمہارے لیے ان کے اندر خوبی ہے)

ایک اونٹ کو جب اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کر دینے کا ارادہ ہو جاتا ہے تو اسے قرانی اصطلاح میں بدنہ کہتے ہیں اس قربانی کے اونٹ کو بھی اللہ کے فضل و کرم نے شعائر اللہ میں داخل فرمادیا یعنے اللہ کا نشان ہے۔ دیکھئے ایک عام اونٹ کی کیا قیمت ہے۔ لیکن جب مولا کریم کی راہ میں قربانی کے لیے تجویز کر دیا گیا تو یہ ایک عام اونٹ نہیں رہا۔ بلکہ ایک باعزت و عظمت قابل احترام اونٹ ہو گیا فرماتے ہیں

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ (پارہ ۱۷ رکوع ۱۱)

(ترجمہ) جو اللہ تعالیٰ کے نشانات کی تعظیم کرتا ہے یہ (کام) دلوں کی پرہیز گاری کی وجہ سے ہے۔ (جو نشاناتِ الٰہی کی تعظیم کرتا ہے یقیناً وہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے کرتا ہے اور پرہیز گاری سے)

تعظیم کیا ہوتی ہے ؟

انسان کا ایسی حرکات کرنا جن سے دیکھنے والوں کو معلوم ہو، کہ سامنے اس چیز کی تعظیم کی جارہی ہے۔ بیٹھا ہے، تو اس کے گذرنے پر کھڑا ہو جاوے۔ اور کھڑا ہے۔ تو آنکھیں نیچی کر لے۔ کسی سے ملاقات ہے، تو ذرا سر خم کر لیا جاوے۔ غرض ایسے ایسے افعال جن سے معظم کی عزت ظاہر ہو۔ خود سوچئے،

Marfat.com

جب ایک قربانی کے لئے تعظیم کا بجالانا قرآنی الفاظ میں تقویٰ ہے۔ تو کیا رسولؐ اللہ، یا خلیفۃ اللہ، یا نائب رسولؐ اللہ کی تعظیم و توقیر پرہیزگاری نہ ہو گی؟ ضرور ہو گی۔ جن کی تمام زندگیاں اس بڑی قربانی جذبہ اسلام اور خدمتِ اسلام میں گذریں، ان کی تعظیم کیوں نہ کی جاوے۔ ایک دوست آتا ہے، تو تعظیم سے پیش آتے ہیں۔ ایک امیر آتا ہے تو اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ ایک مرسل آئے، یا ایک نبی آئے، یا ایک نائب رسولؐ آئے، اس کی تعظیم کریں تو مشرک کہلائیں، اس کی دست بوسی ناجائز، اس کے مصافحہ کو تعظیم سے کرنا ناجائز۔ یہ عقل و نقل کے خلاف ہے۔ صرف ایک نسبتِ الٰہیہ سے جب اُونٹ شعائر اللہ میں داخل ہو سکتا ہے، تو جس ذاتِ گرامی کو مولا کریم کے ساتھ سینکڑوں نہیں لاکھوں نسبتیں ہوں، وہ شعائر اللہ سے نہ بڑھے تو کیونکر؟ جو خود نور ہے، اور نور الٰہی کی تجلیات رات دن ہر آن ان کے دل پاک پر وارد ہو رہی ہوں، تو یہ ذاتِ اقدس اس درجہ پر نہیں کہ ان کی رُوح کے ساتھ ان کا جسم اطہر بھی مہبط تجلیات اور انوارِ الٰہیہ کا مرکز قرار دیا جائے، اور اسے شعائر اللہ کی طرح تعظیم دلائی جائے، اور مسلمانوں کے دلوں میں ان کی عظمت و برکت کا عقیدہ پیدا فرمایا جاوے۔ بُت پرستی، قبر پرستی اور چیز ہے، جو سراسر ضلالت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے ہر مسلمان کو بچائے۔ وہ جو (صاحبِ قبر کو) خدا خیال کرتا ہے، اور تمام امور کا مالک انہیں خیال کرتا ہے۔ جو کچھ کر رہے ہیں، یہی کر رہے ہیں اور جو کچھ ہو رہا ہے، ان کی بدولت ہو رہا ہے۔ اس کو اسلام برداشت نہیں کرتا۔ لیکن ہمیں اس سے بچانے کے لئے ہمارا دین پرستی اور ایمان پرستی کو شرک کہنا، حقیقت سے بہت دُور جانا ہے۔

قبر والے سے امداد مانگنا ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ لیکن اختلاف کو بڑھانے کے لئے یہ کہہ دینا کہ یہ مٹی ہو چکے ہیں، اور مٹی کے سوا کچھ نہیں، یہ سراسر تعلیم اسلام کے خلاف ہے۔ جسے اسلامی علوم سے کچھ بھی واقفیت ہے، وہ

Marfat.com

خود دیکھ سکتا ہے۔ کہ موتی کے بارے احادیث نبوی میں کتنی وضاحت موجود ہے۔ وہ سنتے ہیں، دیکھتے ہیں۔ دُعائیں کرتے ہیں، بشارتیں دیتے ہیں۔ اور اس نقل کے ساتھ مشاہداتِ اُمت بھی شاہد ہیں، کہ وہ سراسر مٹی نہیں ہوئے۔ رُوحیں زندہ ہیں، دیکھتی اور چلتی پھرتی ہیں۔ لیکن ایسے نہیں، جیسے ہمارے سادہ لوح بھائی تصور کرتے ہیں، کہ وہ اس زندگی سے بڑھ کر زندگی کے مالک ہیں، اور ہر امر میں خود لگے ہیں، اور ہر کام کو خود کر رہے ہیں۔ یہ عقیدہ سراسر بے علمی کی بنیاد پر ہے۔ ہاں صلحائے اُمت کی قبور سراسر فیوض ہیں، ان کے برکات ہیں، اور ان کے پاس حاضر ہونے پر اللہ تعالیٰ ان کی کرامت سے مہربانیاں اور فضل فرماتے ہیں۔

متصرف فی الامور خود سرکار خالق اللیل والنہار ہے۔ لیکن یہ اس کے فضل و کرم ہیں، کہ جب اس سرکار کے ساتھ محبت ہو گئی اور جس نے اُس سرکار کو اپنا بنالیا، اور جو اُس سرکار کی محبت میں فنا ہو گیا، اس سرکار کو بھی اس سے محبت ہو گئی، اور اپنے ظہور اور اپنے آثار کے لئے اُسے چن لیا گیا۔ زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی اس کو کرامت دی جاتی ہے۔ اور ہر حاضر ہونے والے کے ساتھ اس کو کرامت دینے کی غرض سے مطلب بر آریاں، مشکل کشایاں فرمادی جاتی ہیں۔

اس صاحبِ ولایت کو پتہ ہو یا نہیں ہو۔ وہ دُعا کرے یا نہ کرے صرف ولی اللہ ہونے کی لاج رکھی جاتی ہے، اور دُنیا و دین میں مقام عزت و عظمت پر بٹھا دیا جاتا ہے۔ یہی حال ہے فیوضاتِ باطنیہ کا ہے کہ صاحبِ ولایت کے ذریعہ خود بخود فیوضِ الٰہیہ پھیلتے اور پھولتے ہیں، ولی اللہ توجہ کرے یا نہ کرے۔ ہاں! توجہ کرنے سے طبیعت کا رخ چونکہ زیادہ متوجہ ہو جاتا ہے تو بارگاہِ قدس کی عنایات زیادہ برسنی شروع ہو جاتی ہیں۔ اصل حقیقت سے ناواقف ہونے کی وجہ سے اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک متصرف فی الامور ولی اللہ کو خیال کرتا ہے اور دُوسرا

Marfat.com

نفی کرتا ہے کہ یہ کچھ بھی نہیں۔نہ یہ صحیح نہ وہ صحیح،اعتدال صحیح ہے۔

خیر و شر کا تلازم

ذاتِ اقدس عَزَّاِسْمُہٗ مجمع صفاتِ کلیہ ہے۔اپنی صفت متقابلہ کے مقابلہ کے لئے ہر آن ہر گھڑی بیتاب اور مضطرب اپنے ظہور اور اپنے تعینات کے لئے رہتی ہے۔ خیر خود خیر ہے لیکن خیر کو پروان چڑھانے کے لئے شر اپنے پورے ٹھاٹھ کے ساتھ سامنے لایا جاتا ہے تاکہ خیر اپنے تمام پھول پتوں کے ساتھ سر سبز ہو، اور دنیائے ظہور میں اس کی روشنی پورے جلوہ پر آجاوے۔ ذاتِ پاک محمد مصطفیٰ ﷺ کو رحمتِ عالم کا لقب کیونکر ملتا؟ اگر ابو لہب کی سختی اور ابو جہل کی جہالت سامنے آکر مقابلہ نہ کرتی۔

روشنی اور اندھیرے کا مقابلہ کیوں کرایا جاتا ہے؟ تاکہ روشنی کی اصل حقیقت آنکھوں کے سامنے آجائے۔ اندھیرا نہ ہوتا، تو روشنی کی کیا حقیقت ہوتی؟ اندھیرے نے روشنی کو آفتاب و مہتاب بنایا اور اس کی قیمت و قدر کو بلند کیا۔ پھر اندھیرا خود بھی اتنا برا نہیں جتنا خیال کیا جاتا ہے۔ اندھیری رات کے فوائد دن کے برابر نہ سہی، لیکن وہ پھر بھی اتنے ہیں کہ شمار نہیں کئے جاسکتے۔

صفتِ ربوبیت کی شان یہ ہے، کہ ہر صفت کے ظہور اور تعین کو اپنی پوری شان کے ساتھ پروان چڑھایا جاوے۔ صفتِ ہدایت نے اگر نبی اور رسول اور ولی پیدا کئے ہیں، تو صفتِ ضلالت نے شیطان اور شیطان صفت آدمی اور جن پیدا کر کے دُنیائے عالم کی تماشاگاہ میں اپنا پارٹ پورا ادا کر رکھا ہے۔ جس طرح ہر صاحبِ خیر، خیر کے ظہور کے لئے بیتاب ہے۔ اسی طرح ہر صاحبِ ضلالت ہدایت کو روکنے کے لئے اپنے پورے سامانوں کے ساتھ مقابلہ کے لئے موجود ہے تاکہ خیر محض کے جوہر سامنے آجاویں، اور شر اپنے پورے سامان و طاقت

Marfat.com

کے ساتھ سیاہ وبد کار نظر آئے۔ ایک طرف ہدایت کے سامان پیدا فرمادیئے جاتے ہیں، دوسری طرف دلوں، آنکھوں اور کانوں پر مہریں لگادی جاتی ہیں (خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَعَلٰی سَمْعِھِمْ وَعَلٰی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ) . تاکہ ہدایت کے سامان کارگر نہ ہوں۔ یہ محلہائے ضلالت صورتِ خیر مٹنے نہ پائیں۔ قرآن حکیم میں کس خوبصورت طریقہ سے اس حقیقت کو واضح فرمایا گیا۔

کَذٰلِکَ جَعَلْنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّ شَیَاطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُھُمْ اِلٰی بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ وَلَوْشَاءَ رَبُّکَ مَا فَعَلُوْہُ فَذَرْھُمْ وَمَا یَفْتَرُوْنَ [۱۵]

(ترجمہ) اسی طرح سے کئے ہم نے واسطے ہر نبی کے دشمن شیطان آدمیوں اور جنوں سے جی میں ڈالتے ہیں بعضے ان کی طرف بعض کے۔ گھڑی ہوئی بات، فریب دینے کو۔ اور اگر چاہتا پروردگار تیرا نہ کرتے اس کو پس آپ انہیں اور ان کی افتراپردازیوں کو خاطر میں نہ لائیں۔

دُوسری جگہ فرماتے ہیں۔

وَکَذٰلِکَ جَعَلْنَا فِیْ کُلِّ قَرْیَۃٍ اَکَابِرَ مُجْرِمِیْھَا لِیَمْکُرُوْا فِیْھَا وَمَا یَمْکُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِھِمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ۔

(ترجمہ) ”اسی طرح کئے ہم نے ہر بستی میں بڑے بڑے مجرم بنائے تاکہ وہ اس میں اپنے مکر کی بازی کھلیں۔ اور وہ مکر بازی نہیں کرتے مگر اپنے آپ سے اور (اس کا) انہیں

Marfat.com

شعور نہیں ہوتا"

توحید کا بلند مقام دیکھئے۔ نبی کا دشمن نہیں، اپنا دشمن بناتے ہیں۔ فرماتے ہیں وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا اور پھر کہہ دیتے ہیں وَلَوْشَاءَ رَبُّكَ مَافَعَلُوْهُ اللہ کی مرضی ہوتی تو وہ یہ نہ کرتے۔ اس کے بعد نبی کو ارشاد ہوتا ہے فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ۔ ان کو چھوڑ دو، اور ان کی گھڑی باتوں کو بھی چھوڑ دو۔ یہ بلند حوصلے توحید کے ہیں۔ اور اپنی صفاتِ کاملہ کے ظہور ہیں۔ ورنہ کسے یہ طاقت کہ اپنا دشمن خود بنائے۔ اپنے تو خیر، اپنے پیارے نبیوں کے دشمن پیدا فرما کر اپنے نبیوں کے حوصلے بلند کئے اور کہہ دیا کہ تمام سے بے پرواہ ہو جاؤ۔

اللہ اکبر! جن لوگوں کو توحید کا دعویٰ ہے، وہ غور کریں، کہ اس توحید پر کون اُتر سکتا ہے۔ ایک صاحب شریعت عالم یا ایک تکوینی صوفی و درویش؟ کس کا حوصلہ ہے کہ اس توحید کے ساتھ نبھاؤ کرے!

دُوسری آیت میں اس سے بڑھ کر فرماتے ہیں، کہ ہر گاؤں میں ہم نے بڑے بڑے بد معاش غنڈے پیدا کر دیئے ہیں۔ اس لئے کہ وہ اس گاؤں میں لوگوں سے داؤ کھیلتے رہیں اور دھوکے دیتے رہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ درحقیقت وہ لوگوں کو دھوکا نہیں دیں گے، بلکہ اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہوں گے، لیکن ان کو اس حقیقت حال کا پتہ تک نہیں۔ جیسے پہلے لکھا گیا، یہ قدرتِ کاملہ علیم و حکیم کا حصہ ہے، کہ ایک طرف ضلالت کی پرورش کرتے ہیں، پھر اس ضلالت کے فطرتی سامان مہیا کرتے ہیں، جس سے ضلالت خود شرمندۂ قدرت ہوتی ہے، اور تباہ ہوتی ہے۔ ایک طرف ضلالت کے سامان پیدا کئے جاتے ہیں، دُوسری طرف ہدایت کے ساز و سامان تیار کرائے جاتے ہیں، اور صاحبِ ہدایت کو حکم ہوتا ہے، کہ میدانِ جنگ میں اتر کر ضلالت کا مقابلہ کرو، کہ یہ ہماری

Marfat.com

ناپسندیدہ ہے۔ دوسری طرف ناپسندیدہ کو ابھارا جاتا ہے، اس کے حواسِ ظاہرہ اور باطنہ کو اندھا کر دیا جاتا ہے کہ ہدایت کسی راہ دِل میں داخل نہ ہو۔ آخر کیوں؟ اپنی قدرتِ کاملہ کے ظہور کے لئے اور تماشاگاہِ عالم کو آباد کرنے کے لئے۔

ہدایت ہوتی اور ضلالت نہ ہوتی تو کیسے یہ گل کھلتے، اور کیسے دنیا آباد ہوتی، اور کیسے صفاتِ متقابلہ کا ظہور ہوتا۔ بلکہ کوئی ایک صِفت بھی اس کے سوا نہ ہوتی، اور خود باطن ہی باطن میں جلوہ گر رہتے۔ ظاہر کا ظہور اُسی وقت ہے، جب دنیا میں خیر و شر مساوی طور پر پیدا کئے جاویں، اور ایک دوسرے سے دست و گریبان رہ کر کشمکشِ عالم کو روشن کرتے رہیں۔

اب ذرا شر کو دیکھئے تشریع [۲] کے ساتھ تکوین [۳] کی کتنی ضرورت ہے! اور تشریع سے تکوین پہلے ہے یا تکوین سے تشریع پہلے؟ اور یہ کہ اسلام تکوین اور تشریع کے اکٹھے ہونے کا نام ہے یا الگ الگ تصور کرنے میں کشتیِ اسلام پار اتر سکتی ہے؟

اسلامی توحید کا بلند مقام

یہ بلند قرآنی توحید (جس کے اندر کفر کو بھی ایک مقام حاصل ہے، اور کافرِ مطلق کے لئے بھی گنجائش پھلنے پھولنے کی ہے، حتیٰ کہ دشمنانِ نبوت کو بھی خود ساختہ کہہ کر دین کی ٹکر کے لئے کھلا چھوڑ دیا گیا ہے، اگر مسلمان قرونِ اولیٰ کی طرح آج بھی اپنا لیں، تو نسبتاً دنیا کے مذاہب اور دنیائے لادین اس کے پرچم کے سایہ تلے آنے کے لئے تیار ہو جائے گی، اور اسلام کو وہ وقعت حاصل ہو گی، جو کسی زمانہ میں اسے تھی۔

لیکن زبانی توحید پرستی جس کے اندر خود مسلمان کے لئے کوئی گنجائش نہیں، اور ذرا سے اختلاف کی وجہ سے ایک صاحبِ توحید گردن زدنی ہو جاتا ہے،

Marfat.com

اور جس کا ثمرہ بے مزہ، بے لطف ہونے کے ساتھ مسلمان کو مسلمان کا دشمن بناتا ہے، اس سے اسلام کو فائدے کی بجائے سراسر نقصان ہورہا ہے۔ یہ توحید نہ اسلام کے لئے مفید ہے اور نہ غیر اسلام کے لئے سود مند ہے، بلکہ اس میں نقصان ہی نقصان ہے، حضرت اجمیریؒ کی توحید نے کتنے ہندو مسلمان بنائے؟ لیکن آج دنیائے اسلام کے سینکڑوں واعظ تبلیغی مشن میں گو سرگرم نظر آتے ہیں، لیکن دوسرے تو کجا اپنے بھی مسلمان بننے کے لئے تیار نہیں۔ کیونکہ اس توحید کا ظاہر وباطن ایک نہیں، بلکہ ظاہر بھی عملاً اتنا اچھا نہیں، جس کی قدر کی جا سکے۔ صرف زبان پر اسلام اور توحید اسلام ہے، اور بس۔ اور چند زبانی کلماتِ توحید کے سوا خزینۂ توحید (قلب) سراسر توحید سے خالی ہے۔ ایسی صورت میں اسلام اور صاحبِ اسلام کی کیا توقیر ہو سکتی ہے، اور اس کا کیا احترام آج کی دنیا میں ہو سکتا ہے؟ جبکہ ساری دنیا مادیات کی طرف متوجہ ہو چکی ہے یہاں وہی توحید کام آسکتی ہے، جس کی ایک نگاہِ غلط انداز ہی دل کو چیر کر نکل جائے، اور دنیائے مادیات سے بے خبر کر دے اور متوالۂ توحید کر دے۔

شانِ ربوبیت

تخلیق و تکوین اور ربوبیت کی شانِ کریمی دیکھنے کے لئے زمین کو دیکھ لیا جائے۔ یہ اپنی روئیدگی، گھاس، جھاڑیاں، درخت ثمر دار یا غیر ثمر دار، پھولوں والے یا بے پھول یا کانٹے دار سب کی یکساں پرورش کرتی ہے۔ اور ہر ایک کے ساتھ مساوی سلوک ہے۔ کسی کے ساتھ بیر نہیں، سب کے ساتھ ماں کا سا سلوک ہے، کیونکہ تخلیقی طور پر تمام اس کے بچے بچیاں ہیں۔ اور سب کو ایک جیسی غذا کھلائی جاتی ہے، باغبان یا کاشتکار کا کام ہے کہ اچھے چھانٹے، خاردار روں کو اکھیڑے پھولوں اور پھلوں کو بچائے، لیکن جب غور سے دیکھا جائے۔ تمام

Marfat.com

روئیدگی میں کونسی گھاس، کونسی جھاڑی، کونسا درخت بیکار ہے، پھولوں کی لاکھوں قیمت سہی۔ عطر جیسی خوشبودار روح ان سے مہیا کی جائے۔ لیکن ضروریاتِ زندگی میں اس کا اتنا حصہ نہیں، جتنا کیکر بیری وغیرہ کانٹے دار درختوں کا ہے۔ مرچ کڑوی سہی۔ لیکن اس کی قیمت گنے کی مٹھاس سے کم نہیں۔ گو اس کی ضرورت زیادہ نہ بھی ہو۔ غرض دنیائے کائنات کا کوئی ذرّہ بیکار نہیں، قرآنِ حکیم اسی فیصلہ کو پاک لوگوں کی زبان سے سناتا ہے رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا الٰہی تو نے جو کچھ پیدا کیا کچھ بھی باطل اور بیکار نہیں۔ تو ذات اقدس کی شان خالقیت اور شان ربوبیت تو اس سے بھی بالا ہونی چاہئے۔ چہ جائیکہ ہم اس فکر میں پڑ جائیں کہ کیوں دشمنِ اسلام و ایمان کو پیدا کیا گیا یا اس کی نگہبانی فرمائی جاتی ہے۔ اور شیطان کو کھلے بندوں گمراہ کرنے کی اجازت کیوں دی گئی؟ یہ سراسر حکمت اس عَلَّام الْغُیُوْبُ کی ہے، جس نے کائنات پیدا کی، اور جو تمام کائنات کے لئے بمنزلہ ماں اور باپ کے ہے، اچھے ہوں یا برے، گو وہ اولاد، بیٹے بیٹوں سے پاک ہے، لیکن اس کی مخلوق ہونے کی وجہ سے اسے ان سے اتنی ہی محبت ہے، جتنی ماں باپ کو اولاد سے۔ هُوَ الرَّحمنُ الرَّحیمُ اسی وجہ سے کہلاتا ہے ؎

ادیم زمین سفرۂ عام اوست
برایں خوانِ یغما چہ دشمن چہ دوست

خیر و شر کا تلازم

قرآنِ حکیم کی ایک اور آیت دیکھئے، تاکہ آپ کو معلوم ہو، کہ فطرۃ اللہ کتنی مہربانیوں اور ذرّہ نوازیوں سے بھری ہوئی ہے۔ پ ۲، آخر وَلَوْ لَادَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ ترجمہ: اگر اللہ بعض آدمیوں کے ذریعہ بعض کو دور نہ فرماتا،

Marfat.com

توزمین برباد ہو جاتی۔ لیکن اللہ بڑے فضل وکرم فرمانے والا ہے اپنی مخلوق پر۔

قدرت کا یہ فطرتی قانون کتنا بلند ہے۔ جب دنیا میں ایک قوم سرکش ہو جاتی ہے تو اس کو گرانے کے لئے ایک دوسری کمزور قوم کو ابھارا جاتا ہے اور وہ سرکش کے سر چڑھتی ہے اور اس کو گرا کر اس کی جگہ لیتی ہے۔ جب سے دنیا قائم ہے، یہ قدرتی قانون ہے جاری جو دنیا کی آبادی کا باعث ہو رہا ہے۔ ورنہ اگر ایک قوم ہمیشہ کے لئے مسلط ہو جاتی، تو دنیا میں زندگی محال ہو جاتی، بلکہ اس قوم کی اپنی زندگی بے مزہ ہو جاتی؟

زندگی کیا ہے

گرنے ابھرنے کا نام زندگی ہے۔ تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں سے پوشیدہ نہیں، کہ کتنی قومیں سرکش دنیا میں حکومت پر قابض ہوئیں اور اپنا سکہ رواں کیا۔ لیکن جب ان کی سرکشی حدِ اعتدال سے گزر گئی، تو نا معلوم اسباب ابھر آئے اور ایک دنیا جب کشیدہ خاطر ہو گئی، تو معلوم اور غیر معلوم اسباب کے ذریعہ گرنا شروع ہوئیں۔ حتی کہ دنیا سے ہمیشہ کے لئے مٹ گئیں۔

کل کا واقعہ ہے کہ جب انگریز ہندوستان پر حاکم تھا، اور ان کی سلطنت کی وسعت ساری دنیا پر پھیلی ہوئی تھی، اور وہ کسی قوم کو اپنے برابر نہیں گردانتے تھے۔ جنگ عظیم لڑی، پھر دوسری جنگ میں فتح حاصل کی۔ کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا، کہ انگریز ہندوستان کو چھوڑ کر جنگ کے بعد ایسے چلے جائیں گے کہ کسی کو خبر تک نہ ہو گی۔ لیکن ہوا کیا؟ دو سال بھی نہ گزرنے پائے تھے، کہ ان پر خوف مسلط ہو گیا، اور ساری قوم انگریز چلا اٹھی، کہ غلام ہندوستان کو آزاد کیا جائے۔ ورنہ ..... یہ قوم دجال سے کم نہ تھی۔ لیکن جب وقت آگیا، وقار گھٹتا گیا۔ نہ دولت کی کمی تھی نہ دوستوں کا گھاٹا۔ نہ عقل وفراست میں کسی سے کم تھے،

Marfat.com

نہ علم ودانش میں کوئی ان کے مقابل تھا، صرف ان کے تکبر نے ان کو گرادیا، ان کے غرور نے انہیں زمین پر دے ٹپکا دور۔ وہ ہندوستان سے ایسے بھاگے کہ پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔

اب کوئی اسباب و زوال سلطنتِ برطانیہ لکھے تو لکھے۔ لیکن جب موجود تھے، کسی کے سامنے یہ اسباب و علل نہیں آئے تھے، کہ یکدم ان کو جنگ میں دھکیل دیا جائے گا، اور ان کی کمر توڑ دی جائیگی اور یہ اپنے وقت پر ہندوستان سے چلے جائیں گے۔

یہی حال شخصی اقتداروں کا دیکھا۔ ہر گاؤں اور ہر علاقے میں کچھ ایسے لوگ ہوتے ہیں، جن کے اقتدار کے سامنے کوئی کلمۂ حق نہیں کہہ سکتا، اور ان کے مظالم کے دور کرنے کا کوئی سامان، کوئی حریف نظر نہیں آتا۔ مخلوقات کی مظلومیت حد سے گزر جاتی ہے، اور کوئی چارہ گری خلاصی کی نظر نہیں آتی۔ قدرتِ کاملہ خود اٹھتی ہے، اور خود سامان پیدا کرتی ہے۔ کوئی لمبی مدت گزرنے نہیں پاتی کہ جو لوگ جوتے کھاتے تھے، وہ ان پر جوتے برساتے دکھائی دیتے ہیں ،اور وہ جوتے کھاتے ہوئے اپنے لئے خود سامانِ عبرت بن جاتے ہیں۔ لاکھوں مثالیں تاریخ میں ملتی ہیں اور خود ہمارے اپنے ملک میں انگریزوں کے چلے جانے کے بعد بعض شخصیتیں اپنے اقتدار کی کرسی سے ایسی گریں کہ شاید ہی مستقبل کا کوئی آسرا انہیں سنبھال سکے۔

یہ قانونِ فطرت اتنا عالمگیر ہے، کہ زمین کے چپہ چپہ میں اس کی عملداری ہر آن اور ہر گھڑی چلتی رہتی ہے۔ کوئی آبادی ایسی نہیں ملتی، جہاں اس قانونِ الٰہی کی بدولت زندگی میں سہارا نہ ہو۔ آج روسی بلاک اور امریکن بلاک اس کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ اگر ایک ہی بلاک دنیا پر چھا جاتا، تو زندگی کتنی محدود اور لاچار ہو جاتی، اور چھوٹی قوموں اور ملکوں کو سانس لینا دشوار ہو جاتا۔ خود سوچئے

Marfat.com

پاکستان کی کیا قیمت ہوتی اور اسے زندہ رہنا کتنا مشکل ہو جاتا؟ آج ایک طرف سے امریکہ امدادی پروگرام سے اپنی دولت ہمارے سامنے بکھیر رہا ہے، تو دوسری طرف روس اپنی دولت کے خزانے اپنے حمائیتوں کو دے کر خوش ہو رہا ہے۔

بار بار غور کیجئے! لیکن اس فطرۃ اللہ کے قانون کے سوا کون ہے، جو اتنی بلند طاقتوں کی گردنوں کو نیچے گرنے پر مجبور کر رہا ہے؟ اور پھر لطف یہ ہے، کہ باوجود اتنی طاقت کے اپنے گرنے کے سامان دیکھ رہے ہیں، اور ان کے علاج میں پورے منہمک ہیں۔ لیکن یہ قانون آخر ایک دن ان کو سر کے بل گرا کر ہی رہے گا۔ اور وہ ملک اور وہ لوگ جن کو آج کی دنیا جانتی نہیں، وہ خدا کی زمین کے حاکم ہوں گے اور مالک اور یہ خیال تک نہ کریں گے کہ کل ہم کیا تھے، اور پھر ایک دن ہم کیا ہوں گے، فَاعْتَبِرُوْا یَااُوْلِی الْاَبْصَار۔

جیسے پہلی آیت پ ۸ میں ہے۔ وَمَا یَمْکُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِھِمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ ۝ متکبر سرکش انسان یا قومیں چالیں چلتی ہیں کہ خود بڑھیں اور دوسروں کو گرائیں۔ لیکن ہوتا کیا ہے؟ چاہ کن را چاہ در پیش۔ وہ سامان جو اپنی کامیابی کے لئے اپنی فتح و نصرت کے لئے، اپنی بڑائی کے لئے کرتے ہیں، وہ درحقیقت الٹا اپنی ناکامیابی شکست اور اپنی ذلت کا باعث ہو جاتے ہیں۔ یہ کتنا بلند جملہ ہے، ''وَمَا یَشْعُرُوْن'' لیکن اسے اتنا علم نہیں ہوتا کہ یہ زندگی کے سامان جو ہم تصور کر رہے ہیں، یہ خود موت کے سامان ہیں جن سے قدرت ان کو سولی پر لے جاتی ہے۔ جب تختہ سولی پر چڑھ نکلتے ہیں، تو بھی خبر نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ تختہ الٹتا ہے، اور گردن ٹوٹ کر رہ جاتی ہے۔

ایک دوسری جگہ اسی طور پر اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے۔ حَتّٰی اِذَا فَرِحُوْا بِمَا اُتُیْنَاھُمْ فَکَذَّبُوْا۔ فَاَخَذْنَاھُمْ بَغْتَةً وَّھُمْ لَایَشْعُرُوْنَ ۝

ایک اور جگہ اسی طرح فرماتے ہیں وَلَا یَحِیْقُ الْمَکْرُ السَّیِّءُ

Marfat.com

اِلَّا بِاَھْلِہٖ فَھَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا سنَّۃَ الْاَوَّ لِیْنَ۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسنّۃِ اللّٰہِ تَبْدِیْلًا ہ

بقاو فنا نعمت ہے

یہ بلند فطرت قانونِ الٰہی حقیقتاً کائنات کو زندہ کئے ہوئے ہے، اور اس کے سوا کائنات کا قیام نا ممکن ہے۔ نہ پیدا ہو نہ مرے، تو کائنات کیا ہو گی؟ ایک ایسا قید خانہ جس سے خلاصی نا ممکن ہو۔ اور پھر زندگی کی کشمکش کے جو لطف ہیں، وہ کہاں ہوتے؟ اسی وجہ سے اس کے بعد فرماتے ہیں، وَلٰکِنَّ اللّٰہَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ہ اللہ تعالیٰ تمام جہانوں پر بہت ہی مہربانیاں اور کرم فرمانے والا ہے۔ یہ جملہ حقیقتاً شانِ ربوبیت کی شان دکھانے والا ہے ؎

اس کے الطاف تو ہیں عام شہیدی لیکن
مجھ سے کیا بخل تھا گر میں کسی قابل ہوتا

ہر ذرّۂ کائنات کی تکمیل ہر آن اور ہر حال ہو رہی ہے۔ فنا بھی بقا کی طرح ایک عنائت ہے، ایک شفقت ہے۔ ورنہ ماں کی مہر ہوتی، نہ باپ کی محبت۔ دوسرے رِشتوں کا تو ذکر ہی کیا، بیٹے تک نہ پوچھے جاتے۔

اصلی موحد یا اولیا اللہ راضی بر ضا

ویسے تو ہر موحد کا ایمان ہے، کہ اللہ تعالیٰ تمام جہانوں پر بہت بڑا مہربان ہے، اور بہت بڑا فضل فرمانے والا ہے۔ لیکن اس کے پرتو اور عکس میں تو صرف وہی لوگ دیکھے جاتے ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص تعلقات اور اس کی شانِ کریمی کے ساتھ خاص مناسبت ہے۔ اور وہ ہیں اولیائے امّت، جو دکھ سکھ، بھوک کو بھی شانِ کریمی سمجھتے ہوئے اللہ تعالیٰ پر راضی رہتے ہیں، اور کسی سخت سے سخت منزل زندگی میں بھی نہیں گھبراتے، اور ہر رنج و غم کو خوشی و

Marfat.com

راحت کی طرح قبول فرماتے ہیں۔نہ کسی دشمن سے بیر ہے، اورنہ ظالم کے ظلم پر چیخ و پکار ہے۔ غرض ہر حال میں خوش ہیں۔ کافرو مسلمان ان کی نگاہِ شفقت میں برابر، ملحد و گبر سے ایسا سلوک کرتے ہیں جیسا بھائی بھائی سے کرتا ہے۔اس کے اس حال سے دنیا خود بخود متاثر ہوتی ہے، اور خود بخود صبغة اللّٰہِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبْغَةً کے رنگ میں رنگی جاتی ہے۔اور کوئی برے سے برا آدمی بھی انہیں برا نہیں کہتا، بلکہ ان کی خدمت میں حاضری کو عنائت الہیہ سمجھتا ہے۔اور جو ان کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے، وہ اپنے اور بیگانہ سے بلند ہو کر اس پر عنایت و شفقت کی نظر رکھتے ہیں۔ اور ہر جاندار ان کو اپنا جانتا ہے۔بلکہ خلیفۃ اللہ سمجھتے ہوئے ان کے قدموں اور چرنوں پر گرتے ہیں۔ خدا نہیں سمجھتے لیکن خدائے قدوس کا نائب ضرور خیال کرتے ہیں۔اور یہ عقیدہ عام ہو جاتا ہے، کہ جو کچھ کرتے ہیں وہ مظہر الٰہی ہو کر کرتے ہیں۔ "بی یَسْمَعُ وَبی یبْصِرُ" اور مجھ سے سنتے ہیں اور مجھ سے دیکھتے ہیں "کا کامل نمونہ دنیا میں دکھائی دیتے ہیں۔

یہی اولیائے امت ہوتے ہیں جن کے مرنے کے بعد بھی ان کی زندگی کے نشانات زندہ رہتے ہیں۔ دنیا انہیں کچھ خیال کرے، لیکن وہ ایک مٹھی بھر مٹی، لیکن کیسے ؟ایک زندہ مٹی! جیسے جبرائیل کے پاؤں کی مٹی، جسے سامری نے گوسالہ بنا کر اس کے اندر رکھ دیا اور وہ بولنے لگی۔ جس سے لوگوں کو دھوکا دیا گیا، کہ یہی تمہارا خدا ہے۔ قرآنِ حکیم کے الفاظ صریح ہیں۔قَالَ بَصُرْتُ بِمَالَمْ یَبْصُرُوْا بِہٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُھَا وَکَذٰلِکَ سَوَّلَتْ لِیْ نَفْسِیْ۔

(کہا پس کیا ہے حال تیرا) کہا دیکھا میں نے اس چیز کو کہ نہ دیکھا تھا لوگوں نے اس کو پس بھر لی میں نے ایک مٹھی خاکِ قدم بھیجے ہوئے کے سے۔ پس ڈال دیا میں نے اس کو یعنی گائے کے پیٹ میں اسی طرح اچھا دیکھا یا مجھ کو میرے جی نے۔

Marfat.com

یہ کیا تھی ؟ مٹی ! لیکن جو نقشِ قدم جبرائیل علیہ السلام کی برکت سے بولنے میں آگئی ۔ اسی طرح نبیوں اور اولیاؤں کا جسدِ خاکی بے روح مٹی ہوتی ہے۔ لیکن بفضلہ تعالیٰ اس مٹی کے اندر کچھ ایسے آثار آجاتے ہیں، جن سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے، اور وہ آثار مناسبت روح کے مطابق ہوتے ہیں ۔ کوئی مٹی. روحانی ترقی کا باعث ہوتی ہے، کوئی مٹی امراض کے دفعیہ کے سامان فراہم کرتی ہے، کسی پر جانے والوں کے کاروبار میں ترقی ہوتی ہے۔ غرض جو کچھ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہوتا ہے۔ عوام بے چارے دھوکہ میں آجاتے ہیں، اور اسے متصرف فی الامور خیال کرتے ہیں۔

روح زندہ رہتی ہے، اور اپنے کمالات کے عکس برابر اس مٹی پر ڈالتی رہتی ہے، جس سے تاثیر برابر جاری رہتی ہے۔ اور یہ بھی کوئی اپنا فعل نہیں ہوتا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں اور اس کی ذرہ نوازیوں سے ہوتا ہے۔ ہمارے ملک میں ایسی قبور بے شمار ہیں جو مرجع عوام وخواص ہیں اور ان سے عوام کو فائدہ پہنچتا ہے۔ مثلاً پیر کھارا ضلع جہلم میں پتھری والے جاتے ہیں اور دنیا کے مشاہدہ میں ہے کہ جو جاتا ہے، باذن اللہ اسے فائدہ ہو جاتا ہے۔ میرے ایک دوست عالم وفاضل مولوی عبدالحق مرحوم جب اپنے لڑکے کے علاج سے مایوس ہو گئے، تو لوگوں نے انہیں وہاں لڑکے کو لے جانے کے لئے کہا۔ لیکن تھے وہ محدث۔ پہلے تو انکار کرتے رہے لیکن جب کوئی صورت نہ رہی، تو آخر گئے۔ راستہ میں للہٗ شریف پڑتا ہے۔ رات گذارنے کے لئے صاحبزادہ صاحب کے پاس قیام کیا۔ صاحبزادہ صاحب نے آپ کو ملامت شروع کی، تو جواباً کہا، کہ اس بارے مجھے کچھ نہ کہا جاوے، میں مجبور ہو کر آیا ہوں۔ آخر گئے۔ لیکن گھر پہنچنے سے پہلے پتھری خارج ہو گئی۔

میرے ایک اور دوست ایک سخت مریض کو لے کر سردی کی موسم میں

Marfat.com

پہنچنے۔ چونکہ وہاں رہائش کا انتظام کوئی نہیں، فوراً واپس ہوئے۔ اور تکلیف بہت بڑھ گئی۔ پیشاب بند ہو گیا۔ جب للہؒ شریف آئے تو ہسپتال میں پہنچے، اور پیشاب نکلوایا۔ لیکن لوگوں نے انہیں کہا کہ تم نے غلطی کی۔ آخر پھر تکلیف شروع ہو گئی۔ کئی گھنٹے ریلوے اسٹیشن پر ٹھہرنا پڑا۔ درد بڑھتا گیا۔ سردی زیادہ تھی۔ اور یو ندا باندی شروع۔ گاڑی میں بیٹھے، تو قطرہ قطرہ پانی گرنے کی وجہ سے دروازہ پر ہی بیٹھ گئے۔ لیکن کچھ دیر گذری اور تکلیف حد سے زیادہ ہو گئی، تو اچانک پتھری پیشاب کے ساتھ باہر آگئی۔ ایک دو مثالیں نہیں، سینکڑوں ہزاروں کا معاملہ ہے۔

سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کا مزار فیضِ باطنی کے لئے مشہور ہے۔ جو جاتے ہیں اکثر آنکھیں پر نم اور دل زندہ لے کر واپس ہوتے ہیں۔ بعض قبروں پر درد والے جاتے ہیں، بعض پر جذامی۔ غرض ہر قبر ایک خاص امتیاز کے لئے مشہور ہے۔

اس سے میرا یہ مقصود نہیں، کہ لوگ ان کی پرستش کریں۔ خدائے قدوس کے بغیر کوئی پوجا کے قابل نہیں۔ لیکن ایک حقیقت دکھانے کے لئے اتنا لکھنا ضروری خیال کیا گیا۔ میں اپنے عقیدے کے مطابق جسدِ خاکی زندہ خیال نہیں کرتا۔ لیکن جیسے پہلے لکھا گیا، صاحب اثر خیال کرتا ہوں۔ آخر مولائے کریم کے نام کی برکت کیوں نہ ہو؟ اور کیوں اس مٹی سے پھل پھول نہ نکلیں، جبکہ تمام زندگی مولائے کریم کی رضا میں صرف کی گئی ہو، اور تمام دنیا سے کچھ حاصل نہ کیا گیا ہو، اور الٰہی جذبہ سے معمور زندگی بسر کی ہو۔ سلطان باہوؒ فرماتے ہیں ؎

اندر بھی ہوتے باہر بھی ہو پھر باہو کتھے لبھیندا ہو

اسلام کے اندر سجدہ غیر اللہ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں، خواہ وہ سجدہ تعظیمی ہی کیوں نہ ہو۔ یہ ایک بہانہ ہے، کہ سجدۂ تعظیمی جائز ہے، جیسے ملائکہ نے آدم علیہ السلام کو کیا۔ کیونکہ خود سجدۂ تعظیم کے سوا کیا ہے؟ ہاں ان دو ظاہری مثالوں سے اتنا فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، کہ اگر کوئی ایسا کر بیٹھے تو اسے شرک نہ کہا

Marfat.com

جاوے۔ انسانی فطرت کی کمزوری سے بسااوقات بے اختیار ناجائز تعظیم ہو جاتی ہے۔ مستقل قبور یا کسی دوسری ہستی کو سجدہ کرنا سراسر ناجائز اور منافی عقائد اسلامی ہے۔

جس طرح روح کی زندگی میں اختلاف نہیں، اسی طرح فیوضات الٰہیہ کے مورد ہونے میں بھی اختلاف نہیں۔ پاک روحیں دنیا میں جتنی گزریں، آج تک دنیا ان کو زندہ خیال کرتی ہے۔ مسلمانوں کو جانے دیجئے، دیگر مذاہب کے لوگ اپنی مقدس ہستیوں کے بارے میں ایسے ہی خیال رکھتے ہیں، کہ ان کے طفیل بہت سی برکات دنیا میں نازل ہوتی رہتی ہیں۔ شہدا کے بارے قرآن حکیم میں فرماتے ہیں کہ ان کو مردہ مت خیال کرو، بلکہ وہ اپنے خدا کے ہاں زندہ ہیں۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں فرمایا۔ بلکہ پھر فرمایا، کھاتے ہیں خوش ہوتے ہیں۔ اور جو ابھی تک زندہ ہیں ان کے متعلق بشارت (خوشخبری) کی خواہش رکھتے ہیں۔ [۵]

اور جو ابھی تک زندہ ہیں ان کو خوشخبری دیتے ہیں۔ غور کیا جاوے! یہ احساسات، یہ شعور، یہ استفسار زندگی نہیں؟ اکثر یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ شہداء کے ساتھ خاص ہے لیکن سورۂ یس میں قَالَ یَا لَیْتَ قَوْمِی یَعْلَمُوْنَ بِمَا غَفَرَلِی رَبِّی۔ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُکْرَمِیْنَ (کہتا ہے، کاش میری قوم جانتی، کہ کیونکہ مجھے بخش دیا گیا اور کیونکہ مجھے صاحب عزت لوگوں میں داخل کر دیا گیا)۔ ہو سکتا ہے کوئی کہہ دے کہ یہ مغفور انسان کا انعام ہے لیکن سورۂ عم میں آتا ہے وَیَقُوْلُ الْکَافِرُ یَالَیْتَنِیْ کُنْتُ تُرَابًا" کہ کافر کہے گا، کہ ہائے میں مٹی ہو جاتا۔ کافر کا یہ احساس زندگی میں نہ تھا۔ مرنے کے بعد ہوش اتنی تیز ہو گئی، کہ اپنے کفر کی حقیقت سامنے آگئی۔ اور اس زندگی سے مٹی ہونا پسند کرتا ہے۔ احادیث نبوی کا مطالعہ کیا جاوے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زندگی سے بڑھ کر موتی کی زندگی ان کے لئے ہوتی ہے۔ گو ہمیں ان کی زندگی کسی طرح دکھائی نہیں دیتی لیکن روایاتِ عامہ جو اس بارے قوم اور ملت کے پاس ہیں۔ وہ اس حد تو

Marfat.com

اتر تک پہنچ چکی ہیں کہ انکار کیا نہیں جا سکتا۔ شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور، اور ایسی کئی کتابیں میری نظر سے گزریں جو اس بارے مفصل احادیث نبویؐ کے ڈھیر جمع کیے ہوئے ہیں۔ اہل بصیرت واہلِ ذوق ان کے مطالعہ کے بعد اس بارے اپنی معلومات بڑھا سکتے ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں صاحبؒ نے اسلامی فلسفہ حیات کو نہایت بلیغانہ طریقہ پر ایک شعر میں ادا کیا ہے ؎

تو زندہ ہے واللہ، تو زندہ ہے واللہ
میرے چشم ظاہر سے چھپ جانے والے

د. حقیقت اختلاف ہے تو صرف ارواح سے استمداد کا، یا ان کے حاضر و ناظر ہر جگہ ماننے کا۔ ورنہ قبور کی حاضری پر دعا و سلام، وہ گویا مرویات اسلام میں داخل ہے۔ اور قبور کی بے تعظیمی کو اس روح و جسم صاحبِ قبر کی بے تعظیمی قرار دیا گیا ہے۔ یہ بھی حاضر ہونے والے کو جانتے پہچانتے ہیں، ان کے لئے دعائیں کرتے، اور بشارتیں دیتے ہیں۔

یہ زبانی باتیں ہیں، قرآنی یا احادیثِ نبویؐ کی نہیں۔ بلکہ صلحائے امت اپنے تعلق والوں سے باتیں کرتے ہیں اور بشارتیں دیتے ہیں۔ اور ایسے بھی ہوتا ہے بعض وقت بیماریوں سے متنبہ کرتے ہیں۔ متوقع حوادثات کی اطلاع دیتے ہیں۔ میرے ذاتی تجربہ میں کئی امور ایسے آئے جن کا علم یا خیال تک پہلے نہ تھا۔ مرضوں کے آنے سے پہلے آثار خواب میں اپنے اسلاف کے ذریعہ معلوم ہو گئے کہ کیا ہونے والا ہے، یا ہو گا؟ جنگ دوئم کے بعد ایک خواب میں نے دیکھا کہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے دروازہ پر سے جو سڑک گذرتی ہے، کچھ جوگیانہ طرز کے لباس پہنے فقیر بیٹھے ہیں۔ جو ایک طرف صرف دو اور ایک طرف چھ سات میرے والدِ بزرگوار جو نہایت اسلامی شریعتِ حقہ کے پابند تھے، اپنے سفید لباس میں پہلے دو اصحاب کے پیچھے دوزانو بیٹھے۔ کچھ کانوں بات کہی۔ پھر دوسرے

Marfat.com

جتھہ کے پیچھے اسی طرح کیا۔ میں آپ کے پیچھے دوزانو بیٹھا تھا، آکر میری طرف متوجہ ہوئے اور میرے کان میں فرمایا کہ انقلاب تو ضرور آئے گا۔ "آنکھ کھلی" حیران تھا، یہ کیسے ؟اب جنگ ختم ہو چکی ہے، یہ انقلاب کیسا؟ لیکن چند ماہ کے بعد تقسیم ملک کا فیصلہ ہو گیا۔ اور وہ انقلاب قیامت خیز آنکھوں سے دیکھا۔ ایسے گھر میں پیش آنے والے واقعات اپنے بزرگوں کی طرف سے یا اپنے روحانی تعلق والے حضرات کی طرف سے بسااوقات نظر آتے رہتے ہیں۔

یہ الگ بات ہے کہ کوئی یہ کہے، کہ اصل میں وہی کچھ بتلاتے ہیں اور وہی حقیقت ہے، جو دیکھی گئی۔ یا کوئی کہدے کہ یہ لطائف روحانیہ کے عجائبات ہیں، خود صاحب روح کو ان کا علم نہیں۔ چونکہ مجھ جیسے ناقص لوگوں کا علم اتنا ہی ہے، اس لیے کوئی بھی فیصلہ نہیں دے سکتے۔ لیکن جو اللہ کے فضل و کرم سے اپنے مشاہدات روحی سے کامل بہرہ یاب ہوتے ہیں اور جن کا علم مشاہدات کی انتہا تک پہنچتا ہے، وہ اس حقیقت سے ذرّہ بھی پیچھے نہیں ہوتے کہ خود روح کے تجلیات ہوتے ہیں اور کہ خود روح، ان حالات سے واقف ہوتی ہے۔ حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ہر جگہ سے اے مرید! تم کو دیکھتا ہوں اور تیری مدد کرتا ہوں۔ تو ضرور حیرانی ہوتی ہے لیکن جب صفائی روح و قلب پیدا ہو جاتی ہے تو یہ مشاہدات انسان خود دیکھ کر اس تعجب سے نکل جاتا ہے اور مشاہدات کے سامنے عقل و نقل کی ضرورت نہیں رہتی۔

میرے مرشد حضرت قبلہ میاں شیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے آخری ایام میں جبکہ آپ کا سفر مبارک تیار تھا، اپنے بعض احباب قاری اللہ بخش صاحب[۶] اور صوفی محمد ابراہیم صاحب[۷] سے فرماتے گئے، آغا سکندر شاہ آئے تھے اور کہتے تھے کہ تو موت سے ڈرتا ہے۔ میں نے کہا نہیں، میں تیار ہوں اور مجھے کوئی ڈر نظر نہیں آتا۔ پھر فرمایا۔ خواب میں نہیں، ویسے ہی آجاتے ہیں اور کہتے رہتے ہیں۔

Marfat.com

ناواقف حیرانی سے کہے گا کہ یہ کیسے ایک مردہ آسکتا ہے لیکن جسے کچھ بھی اس راہ میں واقفیت ہے اور جسے ایسے مشاہدات سے سر فراز فرمایا گیا کچھ بعید خیال نہیں کرتا۔ مردہ تو واقعی نہیں آتا لیکن اس کی روح اتنی صاف ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ مردہ کا تصور ہی اٹھ جاتا ہے اور یہ خیال تک نہیں آتا کہ یہ شخص اس دنیا سے اگلی دنیا میں ہے۔ ہاں جب یہ حال گذر جاتا ہے تو پھر خیال پلٹتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ تو گذرے ہوئے ہیں۔ لیکن پھر بھی یہ یقین نہیں آتا کہ یہ صرف روح ہی تھی بلکہ یہ دھوکا رہتا ہے کہ خود تشریف لائے تھے۔ ہاں مقدس ہستیاں یہ راز پائے ہوئے ہوتی ہیں لیکن ان کو جسمی ملاقات اور روحی ملاقات میں کوئی تفاوت نظر نہیں آتا۔ بلکہ روحی ملاقات کو زیادہ پر از برکات خیال کرتے ہیں۔ آپ دیکھتے نہیں جن لوگوں کو روحی ملاقات یا مشاہدات ہو جاتے ہیں، ان کی کایا فوری طور پر پلٹ جاتی ہے اور تمام خیالات اور احساسات فوری طور پر بدل جاتے ہیں۔

رسول کے پاؤں کی مٹی کا بولنا شرک نہیں لیکن مٹی کا پنجڑے کے اندر بولنے کو خدا اور خدائے موسیٰ (قَالَ هٰذَ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى) کہنا شرک اکبر ہے۔

صاحب قبر کو برگزیدۂ خدا خیال کرنا ایک حقیقتِ اسلامیہ ہے لیکن اسے خدائے قدوس کی طرح ہر امر میں متصرف خیال کرنا شرکِ اکبر ہے۔ دونوں کی تمیز اٹھ جانے سے اختلاف کی بنیاد مستحکم ہو گئی اور نوبت بایں جا رسید والا معاملہ پیدا ہو گیا کہ اب اچھے ذی علم بھی ارواح کو مردہ خیال کرانے میں اپنا زور لگاتے ہیں۔ حالانکہ یہ حقیقت نہیں اور نہ حقیقت سے کوئی واسطہ ہے۔ قبروں کے فیوض سے چورولی ہو گئے اور اس کی برکات سے بگڑے سنور گئے اور مرتے اٹھ بیٹھے، سوئے جاگ گئے، بے دین دیندار ہو کر کلمۃ الحق کے بلند کرنے میں سر فراز ہو بیٹھے۔ ایک نہیں، سینکڑوں اور ہزاروں واقعات دنیا میں دیکھے اور سنے جاتے ہیں، ان کو جھٹلانا تاریخی واقعات کو جھٹلانا ہے۔

Marfat.com

توضیحی تمثیلات

میں شرقپور شریف حاضر ہوا، تو حضرت قبلہ میاں صاحب ثانی سلمہٗ ربہٗ مکان شریف کے لئے تیار تھے۔ مجھے بھی ساتھ لیتے گئے۔ تھکاماندہ تھا۔ سو گیا سحری کو اٹھا۔ نماز ادا کی۔ حضرت امام علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے روضۂ مبارک کے جنوبی دروازہ پر بیٹھ گیا۔ اس سے پہلے حضرت قبلہ موصوف کو بہت بڑا ولی اللہ خیال نہ کرتا تھا، اور اپنے پیر و مُرشد کو شیر طریقت خیال کرتا تھا۔ لیکن تھوڑی دیر بعد مجھ پر یہ کیفیتِ حقیقی ظاہر ہو گئی، کہ حضرت کتنے بلند درجہ کے ہیں اور آپ کی نسبت کتنی بلند ہے اور پیر و مرشد کے حقیقی مربی اور راہنما کس درجہ کے ہیں بہر صورت ہم جب شرقپور شریف واپس آئے تو رات قبرستان والی مسجد میں شب باش تھا۔ عشاء کی نماز کے بعد جب سو گئے، تو کچھ دیر کے بعد کسی نے دستک دی۔ دروازہ کھولا دیکھا تو بعض آدمی لکھے پڑھے لالٹین لیے کھڑے ہیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ کچھ پوچھنے کے لیے آئے ہیں۔ تو انہوں نے چند سوال تحقیق کے لیے کئے۔ عرس کیوں کیا جاتا ہے؟ قبروں کے اندر کھانا پینا کیسے ہے۔ قبروں پر آنا جانا کیسے ہے۔ تو میں نے ان سے کہا، میں اور تو کچھ جانتا نہیں کہ میں گھر سے صرف میاں صاحب کی قبر کے لئے آیا ہوں اور مکان شریف کا لمبا سفر بھی قبر کے لیے کیا ہے۔ بہت سے علمائے کرام اور میرے مربی لاہور اور امرتسر میں تھے لیکن لاہور اور امرتسر سے گزرتے، آتے جاتے ان سے ملنے کی خواہش پیدا نہیں ہوئی۔ خود حضرت ثانی صاحب قبلہ میرے مہربان ہیں لیکن مجھے ان سے کوئی واسطہ نہیں اور نہ ہی ان کی خدمت میں بیٹھا اور نہ میاں صاحب کے مزار پُرانوار کے پاس بیٹھنے کے برابر خیال کرتا ہوں۔ کیونکہ جب کبھی میرا دل مردہ ہو جاتا ہے اور دنیا غالب ہو جاتی اور توجہ دلی مٹ جاتی ہے تو بے اختیار اپنے علاج

Marfat.com

کے لیے یہاں چلا آتا ہوں۔ اور جب حاضر ہوتا ہوں تو خدائے کریم کے فضل سے ایک طرف میرے گناہ سامنے ہو جاتے ہیں اور دوسری طرف خوفِ خدا سامنے آجاتا ہے اور تیسری طرف میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فیوضات اور مہربانیاں درمیان میں آجاتی ہیں۔ آنکھوں سے آنسو برستے ہیں، دل میں ایک رقت طاری ہو جاتی ہے اور خوف کے ساتھ اللہ تعالیٰ الرَّحمٰن الرَّحِیم کے جلوے ہونے لگتے ہیں۔ غرض چشم زدن میں بجلی کی کڑک اور بارش کی موسلا دھار بوچھاڑ سے میدان دل صاف ہو جاتا ہے اور دل روشن ہو کر زندہ ہو نکلتا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ؎

جس دیاں دربار مرشد وچ رسائیاں ہو گیاں
باب رحمت دے کھلے مشکل کشائیاں ہو گیاں
اک نظارے پیر توں بالکل صفائیاں ہو گیاں
دل اندھیری کوٹھڑی تھی روشنائیاں ہو گیاں

اب ایسی صورت میں قبر کا پجاری نہ بنوں تو کیا کروں؟ شہر میں نہیں سویا اور یہاں چلا آیا ہوں اور جو لطف اس مسجد کے اندر سونے کا حاصل ہوا ہے، وہ کسی دوسری جگہ کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟ قبلہ مرشدمؒ کوئی بڑے عالم نہ تھے لیکن جو چند الفاظ فرمائے، وہ دل سے کبھی بھولنے کے نہیں۔ اور جب کبھی آپ کی صورت سامنے آتی ہے تو ساری غفلت دور ہو جاتی ہے اور ایک ایک گناہ سامنے آکر واویلا کرتا ہے اور ندامت کے پانی میں غرق ہوتا نظر آتا ہے۔ اس کے سوا میرے پاس کوئی دلیل نہیں۔ علماء جو کچھ فرماتے ہیں، صحیح فرماتے ہیں۔ لیکن جو کچھ میں دیکھتا ہوں وہ بھی ایک حقیقت ہے۔ اور اس حقیقت کے لئے دنیا سرگرداں ہے۔ اگر وہ دولت مجھے مٹی سے مل جائے تو فرمایئے، میں اس مٹی کے مزار پر کیوں نہ حاضر ہوں۔

Marfat.com

لیکن اگلے دن پھر میں حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوا۔ سبحان اللہ ہر طرف اللہ ہی اللہ ہے۔ در و دیوار سے اللہ اللہ کی آواز آتی ہے۔ جو آتا ہے، فیوضات کی جھولیاں بھر کر جاتا ہے، غفلت نام تک نہیں رہتی۔ لیکن اس کے ساتھ جب یہ دیکھا کہ قبر پر سجدے ہو رہے ہیں اور سجدے بھی پورے سجدے، مغرب اور قبلہ کی طرف نہیں بلکہ دوسری جانب تو دل تلملا اٹھا، کتنی جہالت ہے اور کتنی ضلالت کہ جو سجدے خدائے قدوس کے لیے مخصوص تھے، آج یہ درماندہ مسلمان اپنی نادانی کی وجہ سے قبروں اور مٹی کے ڈھیروں کی طرف کر رہے ہیں۔ یہ نہیں جانتے کہ اس کے اندر خدائے قدوس کی ناراضگی کے علاوہ اسلامی شعائر کی کتنی بڑی بے ادبی ہے۔ اسی پر اکتفاء نہیں۔ صاحبزادے جب مسجد میں تشریف لائے تو یہی حالت ان کے قدموں پر گرتے دیکھی۔ بجائے اس کے کہ کوئی صاحب علم، صاحب ہدایت اس جہالت کو دور کرنے کے لیے کچھ کہتا، ایک مولوی صاحب نے جاہل الٹا کہنا شروع کیا اور علماء کو برا بھلا کہہ کر اپنا دل ٹھنڈا کیا اور اپنے خیال باطل میں اس نے ایک خدمتِ اسلام سرانجام دی۔ اور لطف پر لطف یہ کہ ایسے موقع پر کوئی ہمت کر کے حق بات کہہ بھی دے تو عقیدت مندوں کی طرف سے جوتے برسنے شروع ہو جاتے ہیں، اور یہ نہیں سوچتے کہ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (سجدہ کر اور قریب ہو جا) "میرا رب کتنا پیارا ہے۔" اور اسی طرح اپنے بندوں کو قریب فرمانے کی ترکیب بتائی۔ بھلا جو بندے یا قبر کو سجدہ کرے گا۔ وہ سجدہ کرے۔ ایسا کرے بھی تو اس سجدہ کا کیا امتیاز، جو بندے اور خدائے اکبر میں برابری کا درجہ رکھتا ہو۔ مولیٰ کریم نے قبلہ کی سمت مقرر فرما کر ہر قسم کے سجدے کا تعارض ہی اٹھا دیا۔ ورنہ ایک طرف یہ، دوسری طرف سجدۂ الٰہی بھی کرنا، تو وہ عظمت خدائی نہ رہتی اور ایک عام سجدہ ہو جاتا۔ ایک سمت ہونے سے تمام مشارکتیں اٹھا دی گئی ہیں۔

Marfat.com

بعض معمولی لغزشوں سے نقصان اتنا پیدا ہو جاتا ہے کہ اصل حقیقت ختم ہو جاتی ہے۔ یہی حال موجودہ وقت میں ہو رہا ہے کہ دین کے اندر اتنی بڑی لغزش کہوں یا کچھ اور، ایسی پیدا ہو گئی ہے اور اس فعل کو برا تک نہیں کہا جاتا۔

حالانکہ تمام اصفیاء اور اولیاء کا یہ عقیدہ راسخ پہلے بھی تھا اور اب بھی ہے کہ سجدہ غیر اللہ حرام ہے اور سجدہ میں مشارکت کسی صورت بھی جائز نہیں۔ عبودیت کی شان تو یہی ہے کہ خَالِقُ کُلِّ شیءٍ کے سوا کسی کے سامنے سجدہ نہ کیا جائے۔ لیکن اسلام کے یہ دعویدار ہر مورت کے سامنے سجدہ کرنے کے لیے تیار ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پاک ارواح کی برکتوں سے ان کے اندر اسلامی روایات کا شعور پیدا فرمائے، اور حرام و حلال کی تمیز کی بصارت بخشے۔ آمین ثم آمین! تاکہ خود صاحبِ قبر کے فیوضات سے کامل حظ اٹھائیں اور مولا کریم کی تجلیات سے دل کو روشن پائیں۔

مشہور ہے، "گر فرقِ مراتب نہ کنی زندیقی"۔ حقیقتِ مراتب کا اُٹھ جانا، زندیقی نہیں تو کیا ہے؟ مسلمانوں میں یہ مرض ہے، ایک فریق ہے کہ نبی کو اپنے جیسے انسان بنانے میں تمام قوائے دینی کو خرچ کر رہا ہے۔ دوسرا ہے کہ نبی کو الوہیت کی حدود کے اندر داخل کرنے میں اپنی دینی روایات پیش کرنے میں وقت گزار رہا ہے۔ خدا اور بندہ میں جب فرق نہ رہے تو خدا اور بندے کی تمیز کیا؟ خدا اور رسولؐ میں فرق نہ رکھا جائے تو اسلام کیسے؟ لیکن نبی و رسول ہم کو اپنے جیسا کر پھر اطاعت و اتباعؐ کے لیے دعوت دینا کتنی نادانی ہے! جو اپنے جیسا ہے اس کی اتباع میں کیا فائدہ؟ قرآن حکیم کا مطالعہ کرنے والوں سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ اپنے کہنے والے کبھی فلاح اور فوز تک نہیں پہنچ سکتے۔

ایک قبور پر جانے کو مطلق حرام کہتا ہے۔ دوسرا قبور کی تعظیم کو خدائے عزاسمہٗ کی تعظیم کے برابر کرنے کو دین تصور کیے ہوئے ہے۔ لیکن اعتدال و وسط

Marfat.com

جو امت محمدیہ کا خاصہ ہے اسے نہیں پکڑتے تاکہ حقیقی توازن قائم ہو جائے اور ہر حقیقت اپنے اپنے مقام پر دکھائی دے۔ علمائے امت اور صلحائے ملت کے اقوال و اعمال و احوال کا مطالعہ کیا جائے، ان پاک لوگوں کی روش سے فائدہ اٹھا کر وسطی راہ (میانہ روی) اختیار کی جائے۔ اور دین کی حقیقی عمارت کو مضبوط بنایا جائے کہ کوئی بڑے سے بڑا دین اگر مقابلے میں آجائے تو دیکھتے ہی گر جائے اور پھر اسے اٹھنے کی مجال نہ ہو۔ اور اپنے تمام فوائد دنیاوی کو بے کار سمجھ کر دینی اقدار کے سامنے سر خم کر دے اور ہمیشہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہتا ہوا بہشتِ بریں میں جگہ پاوے۔ یہ ہے اسلام دینِ محمدیؐ جس کے لئے امتِ مرحومہ کو اختیار فرمایا گیا، اور جس کے لئے زمین کے سب راستے کھول دئے گئے ہیں، تاکہ وراثتِ الٰہیہ کے مالک اپنی وراثت پر قائم ہوں۔ میں آپ جیسا ہوں (اِنَّمَا اَنَابَشَرٌ مِثْلُکُمْ) کہلا کر خدائے اکبر نے نبی کی شان بڑھادی ہے کہ گھٹائی؟ ہر ذی فہم سوچ سکتا ہے کہ فخرِ موجودات سرورِ کائنات ﷺ کے منہ سے جب یہ الفاظ نکلتے ہیں تو اس بڑی شان والے کی عزت و عظمت ظاہر ہوتی ہے یا تحقیر کا پہلو نکلتا ہے؟ ہاں کفار منکرین کی تسلی بھی مقصود تھی اور ان کو اس ذریعہ، دعوتِ اسلام بھی پہنچانا مقصود تھا کہ میں ہوں تو ایک انسان تم جیسا، لیکن وحی الٰہی مجھ پر آتی ہے، تم اس کی اطاعت اختیار کرو، میری ہرگز نہ کرو۔ جب میں نے یہ الفاظ تاریخ اسلام میں پڑھے، تو خدا شاہد ہے، مجھ پر پیغمبر اکرم ﷺ کی عظمت و شان کا سکہ بیٹھا لیکن ایک امتی جب ان الفاظ کو دہرا کر شانِ رسالت گراتا ہے اور اس کا مقصود بھی گرانا ہی ہو، تو اس صورت میں ایک مسلمان کے دل پر چھری نہ چل جائے تو اور کیا ہو اور پھر غضب یہ کہ اس کی اتباع، اس کی اطاعت کو خیر و فلاح سمجھ کر دعوتِ ایمانی بھی دی جائے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسے خیال کرتے ہوئے کس کا خیال عقیدت پختہ ہوگا؟ بلکہ عقیدت جب گر جاتی ہے، تو لازماً اتباع کا خیال تک اٹھ

Marfat.com

جاتا ہے۔ ایک پیر و مرشد کو اپنے جیسے کہنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ کتنا بھلا مانس آدمی ایک صاحب منصب کیوں نہ ہو، اسے اتنا کہہ دیا جائے کہ آپ ہم جیسے ہیں، صرف آپ کو حکومت سے منصب ملا ہوا ہے، ورنہ آپ میں اور ہم میں کچھ فرق نہیں، یا ایک عام آدمی ہی کو کہہ کر دیکھ لیا جاوے جو ہمیشہ سے اَنَابَشَرٌ مِثْلُکُمْ کی رٹ میں سرگرداں ہے، تو پھر دیکھ لیا جائے کہ وہ عالم یا حاکم کیسے مہربان ہوتا ہے اور اس کے دل پر کیا اثر ہوتے ہوں گے؟ نبی تو خود نبی سہی لیکن خدائے قدوس کی بارگاہ بھی تو اس گستاخی پر خوش نہ ہوتی ہو گی کہ میرے سب سے پیارے بندے کا یہ حال اپنی امت کر رہی ہے اور خوش ہو رہی ہے کہ ہم دین کی خدمت کر رہے ہیں۔

مرحوم مولانا ظہور احمد بگوی نے ایک بار اس اختلاف پر کہا تھا، کہ ایک فریق ہے کہ تمام حدیث کا ذخیرہ اس لیے الٹا پلٹتا ہے کہ کس طرح شانِ نبوی کو بلند کیا جائے اور دوسرا فریق ہے کہ تمام ذخیرہ سے یہ چھانٹ رہا ہے کہ کس طرح شانِ نبوت کو گرایا جائے، تاکہ اسے ایک عام آدمی خیال کیا جائے۔ تو اب فیصلہ کر لیا جائے کہ کون سا فریق اپنے خیال میں اچھا ہے۔ بڑھانے والا یا گرانے والا۔ اس کے مقابل میں قبور صلحاء کے بارے میں یہ مغالطہ دیا جاتا ہے کہ ان سے استمداد کرنے والے مشرک ہیں کیونکہ صاحبِ قبر کو الوہیت کا درجہ دے کر اس سے حاجات طلب کرتے ہیں۔ اس صورت میں یہ شرکِ اکبر ہے اور آنے جانے والے مشرک۔ گو یہ ایک اختلافی معاملہ ہے کہ وہ جائز فعل ہے یا ناجائز فعل ۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کوئی مسلمان صاحبِ قبر کو الٰہ (خدا) جانتا ہے؟ کہ خدا قبر میں مدفون ہے۔ زیادہ سے زیادہ خدا کا پیارا کہا جاتا ہی۔ اور یہ بھی نہیں کہ اندر پورا زندہ دنیاوی زندگی میں بیٹھا ہے بلکہ اس کی روح زندہ ہے اور بس۔ اس صورت میں استمداد کے مسئلہ کو جائز یا ناجائز ہونے میں خیال نہ کیا جائے۔ بلکہ دیکھنا یہ ہے

Marfat.com

کہ ایک مسلمان رات دن کئی بار اپنے اس عقیدہ الہ کو بایں الفاظ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ دہراتا ہے اور ہر بار اسے یہ خیال ہوتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ، کوئی خدا نہیں۔ اور وہ قبر پر بھی جاتا ہے تو یہ عقیدہ اس کے اندر پختہ ہوتا ہے۔ اور تمام امورات میں دین حنیف کی عبادت کرتا ہے۔ نماز پڑھتا ہے، روزے رکھتا ہے، زکوٰۃ دیتا ہے، حج کرتا ہے۔ تو یہ تسلیم کہ اس کا قبور سے استمداد فعل مشرکانہ یا عقیدہ شرک سے ہے۔ تاہم کوئی یہ جرأت کر سکتا ہے کہ اُسے مشرک کہہ دیا جاوے ؟۔ کیونکہ مسلمان کی ملت الگ مشرک کی ملت الگ۔ یہ اس ملتِ مشرکہ سے کئی بار اپنے آپ کو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہہ کر نکالتا ہے اور ملتِ اسلامیہ کے ساتھ تمام رسوماتِ ظاہر یہ اور باطنیہ میں برابر کا شریک رہتا ہے۔ مانا کہ اس سے ایک فعل ایسا بھی سرزد ہوتا ہے جو اس کی ملت کے عقاید کے برخلاف ہے، یا اس کے عقیدہ میں ملت اسلامیہ کے عقاید کے اندر ایک آمیزش عقیدہ فاسدہ کی بھی آگئی ہے۔ تو کیا اس کے اس فعل یا اس کے ایک آمیزشی تخیل پر اس کے تمام عقاید حقہ پر پانی پھیر دیا جائے گا، اور اسے اپنی پوری ملت سے کاٹ کر رکھ دیا جائے گا۔

ایک مسلمان کے منہ سے ایک کفر کا کلمہ کسی صورت میں دیدہ دانستہ یا نادانستہ نکل جاتا ہے تو کہا جائے گا کہ تو نے کفر کا کلمہ بک دیا ہے، لیکن کوئی اس پر کلی کافر ہونے کا فتویٰ نہیں لگا سکتا۔ بلکہ اسے مطلع کیا جائے گا کہ یہ کلمۂ کفر ہے، تم باز آجاؤ، یہ اسلام کے برخلاف ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ اپنے کلی طور پر کافر ہونے کا اقرار کرے۔ ورنہ جب تک وہ کلمہ توحید پر قائم ہے اور اپنے اعمال کو دینی اعمال جانتا ہے، تو اس وقت اسے کافر نہیں کہا جا سکتا۔ کسی ملت اور مذہب میں یہ سلوک نہیں دیکھا گیا، کہ ذرا سے اختلاف کی بنا پر اپنے افراد مذہب کو اس طرح بے دریغ اپنے مذہب سے کاٹ کر دوسری طرف کر دیا جاوے اور تھوڑی تھوڑی اختلافی باتوں پر اسے مذہب سے باہر نکالا جاوے۔ لیکن ہمارے ہاں یہ طومار بازی، کافر بازی

Marfat.com

یا شرک بازی اتنی وسیع ہے کہ کوئی بھی ایک دوسرے کے فتویٰ سے نہیں بچ سکا، ہر ایک دوسرے کی نگاہ میں کافر اور مشرک ہے۔ العیاذُ باللہ۔

اس کا یہ مطلب نہیں۔ عقاید کو صحیح رکھنے کی دعوت نہ دی جائے یا رسوماتِ جاہلیہ کو اسلام کے صحیح چہرہ پر آنے دیا جائے۔ بلکہ ہر عقیدۂ فاسدہ کو روکا جائے اور ہر رسم جاہلیت کو واضح کیا جائے اور صحیح اسلام پیش کیا جائے لیکن ملت کی شیرازہ بندی کو نہ اڑایا جائے بلکہ بنایا جائے۔ اختلاف ہمیشہ سے چلا آتا ہے اور چلا جائے گا۔ لیکن یہ نہیں دیکھا گیا کہ ایک فریق اسلام دوسرے فریق اسلام کو بعض اختلافی مسائل پر متواتر کافر اور مشرک کہتا جائے۔

مشرک کہنا کوئی تھوڑی سی بات ایک مسلمان کے لیے نہیں۔ لیکن آج کوئی کتاب، کوئی رسالہ اسلامی دیکھو، وہ اسی مضمون میں سر تاپا بھرا نظر آئے گا۔ کوئی ایک دوسرے کو گالی دے تو کتنا برا معلوم ہوتا ہے۔ ایک مسلمان کے لیے اس سے بڑھ کر کیا گالی ہو گی کہ اسے سرے سے اپنی قوم و ملت سے نکال کر باہر پھینک دیا جائے۔

ایک بچہ کو حرامی کہنا کتنا برا معلوم ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بچہ قوم کا نہیں ہے یا خاندان کا نہیں۔ ایسے ہی جب کسی کو مشرک کہہ دیا جائے تو اسے اپنی قوم سے نکال دیا جاتا ہے اور اسے ایک ایسی گالی دی جاتی ہے جس سے بڑھ کر کوئی اور گالی نہیں اور لطف یہ کہ ذرا بھر بھی اپنے اندر یہ احساس نہیں دیکھا جاتا کہ میں نے کتنا بھاری لفظ اپنے بھائی کے لئے استعمال کیا ہے اور کتنا دکھ اپنی زبان سے اپنے بھائی کو دیا ہے۔

صوفیت اور مولویت میں جنگ

ویسے تو یہ فرقہ بازی شروع سے ہی اسلام کے اندر پیدا ہو کر یہ سلسلہ

Marfat.com

جاری ہو گیا تھا۔ لیکن جب سے صوفیت اور مولویت نے اسلام کے اندر الگ الگ مقام حاصل کیا، اس وقت سے صوفیت اور مولویت میں برابر جنگ چلی آتی ہے۔ اور یہ جنگ عین فطرۃ اللہ کے مطابق ہے کہ جب صوفیت اپنی حدود سے متجاو ز ہو جاتی ہے، تو علمائے ربانی اٹھ کھڑے ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی زبان اور ان کا دل کھول دیتا ہے۔ وہ اس وقت تک خاموش نہیں ہوتے جب تک صوفیت کو پھانسی نہیں چڑھا لیتے۔ لیکن پھر مولویت بڑھنا شروع ہوتی ہے اور اس کی سرکشی حد اعتدال سے گزر جاتی ہے تو صوفیت اپنا سر نکالتی ہے اور ہر کہ ومہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے لیکن کسی کو یارا نہیں ہوتا کہ ایک لفظ بھی اس کے خلاف زبان سے نکالے۔ شاہ و گدا اس کے سامنے سر بسجود ہو جاتے ہیں، جاہل و عالم اس کے حاشیہ بردار ہوتے ہیں تاوقتیکہ یہ سلسلہ پھر اور پلٹا کھاتا ہے اور یہ تسلسل جاری رہتا ہے اور یہ قانونِ الٰہی اور فطرت اللہ ہے۔

وَلَوْ لَا دَفعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْض لَھُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَمَسَاجِدُ وَصَلَوَاتٌ وَّ مَسَاجِدُ یُذْکَرُفِیْھَا اَسْمُ اللّٰہ کَثِیْرًا" (حج ۲۲ نمبر ۴۰)

اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا رہتا تو نصاریٰ کی خانقاہیں اور معبد، یہود کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں، جن میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے سب معدوم ہو گئے ہوتے۔

اس سے پہلے سورۂ بقرہ کی اسی مضمون کی آیت بایں الفاظ وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْض لَفَسَدَتِ الْاَرْضُ کی تفسیر اور تشریح گذر چکی ہے وہاں لَفَسَدَتِ الْاَرْض فرمایا گیا لَھُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَّ مَسَاجِدُ یُذْکَرُفِیْھَا اسْمُ اللّٰہ کَثِیْرًا" آیۃ ہذا پر غور

Marfat.com

کرنے سے یہ امور واضح ہوتے ہیں۔

۱۔ عبادت خانوں کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی اہمیت ہے، جیسے زمین اور کائناتِ ارضی کی بڑی اہمیت ہے۔ جس طرح زمینی فساد سے دنیا تباہ ہوتی ہے، اسی طرح مراکزِ دیں (عباد تخانوں) کی تباہی سے دنیا تباہ وبرباد ہوتی ہے۔

۲۔ جیسے ہر قوم و ملت کے عبادت خانے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک درجہ پر ہیں اور ان کا احترام اللہ تعالیٰ کے نزدیک برابر ہے، ویسے ہی وہ مخلوقِ انسانی سے بھی یہی چاہتا ہے کہ ان کا احترام ہر دل میں ہو۔

۳۔ ادیان کی وحدتِ اصل کا بھی پتہ چلتا ہے کہ حقیقتاً توحیدی دین تمام ایک ہیں۔ اگرچہ بعض موسمی اور وقتی حالات کی وجہ سے بظاہر بعض امور میں مختلف نظر آتے ہیں لیکن مقصدِ رسالت حقیقت میں ایک ہے اور اپنے اپنے وقت وہ الگ کھڑے نظر آتے ہیں اور ان کی رسالت پر ایمان لانا ضروری ہے اور تفریق رسالت پسند نہیں۔ جیسے فرماتے ہیں۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْ باللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ولَمْ یُفَرِّ قُوْابَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ اُوْلٰئِکَ سَوْفَ یُوْتِیْھِمْ اُجُوْرَھُمْ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرَا رَّحِیْمَاً ہ

اپنا خیال تو یہ ہے کہ کوئی دین ایسا نہیں پھوٹتا، جس کی بنیاد توحید پر نہ ہو۔ اس لیے حقیقتِ مطلقہ پر یہ یقین دین کا اولین عقیدہ ہے۔

۴۔ یہ عبادت خانے کیوں پسند ہیں؟ اور ان کا احترام اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیوں ہے؟ صرف اس لیے "یُذْکَرُ فِیْھَا اسْمُ اللّٰہِ کَثِیْرًا" کہ ان میں اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر بہت ہوتا ہے۔

۵۔ اسم اللہ اپنے اندر بہت بڑی حقیقت رکھتا ہے۔ صرف اللہ کا نام ہی مذہبی تخم ہے۔ اور ہر دین کا تخم یہی ہے، اگرچہ الفاظ الگ الگ ہوں ؎ بہر نامے کہ

Marfat.com

خوانی، نام ادوان۔ الاسماء الحسنٰی ہر زبان میں ہر قوم کے لیے ایک ہی حقیقت مختلف ناموں سے پکاری جاتی ہے اور جس نام سے بھی پکاری جائے، وہی پسند ہے۔

ہاں ہر قوم و ملت کے لیے اپنا اپنا نام اللہ لینا اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے۔ مسلمان خواہ کسی ملک کا ہو، اسے اللہ سے ہی پکارنا ضروری ہے تاکہ رسولی رنگ اس نام پر چڑھے۔ جس نبی نے جو نام پیش کیا، اسی نام سے اس کی امت کیلئے پکارنے میں برکات اور فیوضات ہیں۔

اسم اللہ یا اللہ تعالیٰ کا نام ہی حقیقتاً شرح صدر بخشتا ہے اور وہ انوارِ الٰہی پڑھنے والے کے سینے میں ڈالتا ہے کہ کسی دوسری عبادت سے وہ انوار روشن نہیں ہوتے۔

نماز ہر قوم و ملت کی بہت بلند عبادت ہے اور اس کے انوار بھی ہیں۔ لیکن جب تک اس تخم توحید کو ابتداء پختہ نہ کر لیا جائے، اس وقت تک نماز اپنے اندر جذباتی تاثرات پیدا نہیں کر سکتی۔ اگرچہ علمی حلقوں کو اختلاف ہے اور اسم اللہ کے ذکر کو کم خیال کرتے ہیں اور بعض بے فائدہ خیال کرتے ہیں اور نماز سے بلند درجہ نہیں دیتے۔ لیکن حقیقتاً تواتر اور مشاہدہ، اس کے بر خلاف ہے۔ وہبی مشاہدات اور تجلیاتِ الٰہیہ کے حصول کے لیے اسم اللہ سب سے بلند وارفع اثرات اپنے اندر رکھتا ہے۔ لیکن حیرانی ہے کہ باوجود یہ کہ قرآنِ حکیم میں اسم اللہ کی یاد اور پڑھنے کے متعلق بہت سی آیات ہیں پھر بھی بعض اصحاب اس پر توجہ نہیں فرماتے اور ذکر اللہ پر پریشان ہوتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ قرآن حکیم کی تدبر سے انہیں قرأت نہ ہو۔ لیکن جہاں قرآن حکیم دین کی عقدہ کشائی فرماتا ہے وہاں اسم اللہ روح کی سیاہی کو دور کرنے میں بے مثل و بے مثال حملہ کرتا ہے۔

۶۔ جس طرح الحمد شریف قرآن حکیم کے برابر رکھا گیا ہے وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْم ،اسی طرح ایک طرف تمام روئے زمین کی کائنات کی قیمت، ان معابد الٰہیہ کی قیمت یعنی احترام کے برابر

Marfat.com

رکھی ہے۔ جس طرح خُدائی زمین کو فساد سے روکنے کے لیے اور برباد ہونے سے بچانے کے لیے قانونِ مدافعت پیدا کر کے معابدِ الٰہیہ کو محفوظ بنایا جاتا ہے۔ یہ حفاظت کیوں ہے؟ صرف ذکر اللہ کی کثرت کی وجہ سے۔ اور ذکر اللہ تمام ادیان میں یکساں جاری وساری ہے۔ اور یہی تخم توحید اور وحدتِ کائنات کا ربط ہے۔

۷۔ معابد الٰہیہ ہی ربط کائنات کے لیے فطرتاً کام آتے ہیں۔ اور توحید ہی حقیقتاً ربطِ کائنات کا تخم ہے۔ خالق اپنی مخلوق کو اپنے ہی ذریعہ اور وسیلہ سے ایک وحدت اور جوڑ میں تمام معاشرۂ زندگی کو لا کر خوشحالی کائنات کا سامان پیدا فرماتے ہیں۔ اخوت اور بھائی چارہ اور مساواتِ انسانی کے واحد اجارہ دار معابدِ الٰہیہ ہیں۔

خود سوچئے! جتنی وحدت، دین کے پختہ اصول، انسانی زندگی میں پیدا کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے قریب لاتے ہیں۔ آج تک کسی دوسری تنظیم نے بھی کچھ مقابلۃً پیدا کیا؟ اگر کچھ دن تنظیم ہوئی بھی، تو چند افراد تک محدود اور عمر میں چند سال تک بھی قائم نہ رہی۔ مخلاف ادیان کے، جو دین بھی دنیا میں آیا، اس کے پیروکار اب بھی ملتے ہیں۔ اور ان کے ذہنی اور عملی قویٰ اب تک موجود ہیں۔

۸۔ اسی وجہ سے ھُدِّمَتْ صَوَامِعُ وغیرہ کے فوراً بعد فرمایا یَنْصُرُ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ۔ جو اللہ کی مدد کرے گا، اللہ اس کی مدد فرمائے گا۔ یعنی اس کی امداد کو کامیاب فرمادے گا۔ اور فرمادیا اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ اللہ بڑا طاقتور اور غالب ہے۔

غور فرمایا جاوے کائنات کے سلسلے میں لَفَسَدَتِ الْاَرْضُ کہ زمین برباد ہو جائے گی اِنَّ اللّٰہَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَی الْعَالَمِیْنَ کہ اللہ تعالیٰ تمام دنیا پر بڑے فضل وکرم فرمانے والا ہے۔ اُس میں نصرت طلب نہیں فرمائی۔ لیکن معابد الٰہیہ کی حفاظت کے لیے امداد طلب فرمائی ہے کیونکہ اس کی حفاظت کی بنیاد بھی معابد کی حفاظت پر منحصر ہے۔

اس کی حفاظت کیا ہے؟ ہمارے نزدیک دین کی حفاظت کیسے ہو سکتی

Marfat.com

ہے ؟ یہی کہ دین کے تخم کی حفاظت کی جائے اور وہ کیا ہے ؟ وہی اللہ !اللہ !! جس سے بعض علمی دیندار بدکتے ہیں۔

وحدت ادیان

وحدتِ ادیان کے لیے قرآن حکیم میں بہت مواد ہے۔ ہم اسی سورۂ حج کی ایک آیت تمثیلاً پیش کرتے ہیں۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُسْتَقِيمٍ ۝

ہم نے ہر امت کے لئے ایک طریقہ عبادت کا مقرر کر رکھا ہے کہ وہ اس پر چلنے والے ہیں۔ سو انہیں نہ چاہئے کہ آپ سے جھگڑا کریں اس امر میں۔ آپ ان کو اپنے پروردگار کی طرف بلاتے رہیں۔ بیشک آپ ہی سیدھے راستے پر ہیں۔

ذرا جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ پر غور کیا جاوے، جب خود بنایا تو اسے کیوں نہ تسلیم کیا جاوے ؟ طریقہائے مختلف سے دین حقیقی کو روشن کیا گیا۔ لباس کی تبدیلی سے شخصیت نہیں تبدیل ہوتی۔ من اندازِ قدت رامی شناسم وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ اور ایسے کئی ٹکڑے قرآنِ حکیم میں بکثرت آتے ہیں، جن سے وحدتِ دین کا عقیدہ کامل طور پر پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ وحدتِ دین ہے جو ہر انسانی فکر کو الگ سوچنے سے بچاتی ہے اور ایک ربط بھی قائم رکھتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ جہالت بالتَّعَصُّبُ سے ہر قوم وملت نے اپنا اپنا دین الگ خیال کیا اور اپنے دین کے سوا باقی ادیان سے دشمنی پیدا کر رکھی کیا اسلام ایک دین نہیں ؟ لیکن دیکھتے دیکھتے کتنے فرقے پیدا ہو گئے اور اس اختلاف کو رحمت نہیں خیال کیا جاتا

Marfat.com

،بلکہ ایک زحمت خیال کیا جاتا ہے۔ اور ایک دوسرے کو مشرک، بے دین کہہ کر قوتِ ایمانی کو گھٹایا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ تمام اُمت کا ایمان ایک وحدت میں ہوتا ہے۔ اور جب فرقے پیدا ہوتے ہیں تو وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بے عمل ہو جاتا ہے اور قوّتِ رُوحانی جاتی رہتی ہے اور وہ ہمہ گیری جو فطرتاً اللہ تعالیٰ نے اس میں رکھی ہوتی ہے وہ ضائع ہونے لگتی ہے۔ بڑھنے کے بجائے ایمان گھٹنا شروع ہو جاتا ہے اور تمام عملی قویٰ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔ یہاں تک کے وہ زندہ تو ہوتے ہیں لیکن کوئی طاقت زندگی کی اس کے اندر نہیں ہوتی اور نیم مردہ سسکتا رہتا ہے تا آنکہ کوئی مجدد آئے اور توحیدی نور سے اس کا علاج کر لے اور از سرِ نو اسے جان بخشے۔

دوسرا جملہ

فَلَایُنَازِعُنَّکَ فِیُ الْاَمْرِ

انہیں نہیں چاہئے کہ آپ سے جھگڑا کریں (اس) امر میں

یعنی (امر شریعت اور دین میں)

یہ حصہ بھی وحدتِ دین پر دلالت کرتا ہے اور ہر دین والے کو دوسرے دین والے سے جھگڑنے سے روکتا ہے کیونکہ اصل حقیقت ایک ہے اور اختلافِ شریعت، حقیقی اختلاف نہیں۔ اور اختلاف بھی عباداتِ الٰہیہ میں ہے، جیسے نماز، روزہ غیرہ میں ہے، معاملات میں تمام متفق ہیں۔ برائیوں اور نیکیوں کا واحد معیار ہے۔

برائی ہر دین میں برائی ہے اور نیکی ہر دین میں نیکی ہے۔ غرض معاشرہ کی زندگی کے اصول و قوانین ایک ہیں، اور عبادات اور طہارت کے اختلافات بھی ترقی کی وجہ سے ہیں۔ انسانی ارتقا کا تسلسل جاری ہے اور لاکھوں کروڑوں سالوں کی زندگی انسانی، حیوانی، نباتاتی، جماداتی ترقی، کر رہی ہے۔

اسی اصولِ زندگی ارتقاء کی وجہ سے دین کی ارتقائی منزلیں ضروری ہیں اور

Marfat.com

دین بعد کا، پہلے دین کے جامع ہونے کے باوجود کچھ ارتقائی اصول اپنے ساتھ لاتا ہے۔

دین اسلام تمام ادیان متقدمہ [۸] کا جامع ہے۔ اس لیے فرمایا گیا وَادْعُ اِلٰی رَبِّکَ [۹]۔ آپ ان کو اپنے پروردگار کی طرف بلاتے رہیے۔ "رب" کا لفظ ایسا جامع ہے کہ ہر مذہبی انسان کو اس کے ساتھ ایک مناسبت ہے۔ بلکہ کفار تک اس لفظ سے محبت رکھتے ہیں۔ وَادْعُ اِلٰی رَبِّکَ، وَادْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے اور صرف وَادْعُ اِلٰی رَبِّکَ بھی صحیح ہے۔ یعنی صرف پروردگار یعنی رب العالمین کی طرف متوجہ ہونے کی دعوت اور بلاوا دیا جائے۔ اس میں کوئی تفریق نہیں۔ لباسِ شریعت تو بعد میں ہو گا۔ جب دعوت الٰہیہ سے کوئی متاثر ہوتا ہے تو داعی کے اثرات سے خالی نہیں رہ سکتا اور وہ باطنی اور ظاہری اثر اس کے اندر وہی کچھ پیدا کر دیتا ہے، جو داعی کے ظاہر و باطن میں ہوتا ہے۔

اس کے بعد ایک اور جملہ اس دعوت کے صحیح ہونے کے لیے بھی فرما دیا جاتا ہے اور وہ یہ ہے اِنَّکَ لَعَلٰی هُدًی مُّسْتَقِیْمٍ ۝ (بے شک آپ سیدھے راستے پر ہیں) کسی مذہب اور دین کے پیروکار کو یہ درجہ کہاں نصیب کہ وہ سراپا علماً، عقلاً، رسماً اپنے دین کی پوری پوری پیروی کر رہا ہو۔ بلکہ کروڑوں میں ایک بھی ایسا نہیں نکلتا جو دین کی جان ثابت ہو، اور اس کا جسم و جان اپنے دین کے تمام خط و خال لیے ہو۔ بخلاف ایک نبی اور رسول کے، کہ وہ براہِ راست انوارِ الٰہیہ اور فیوضات لے رہا ہوتا ہے اور اس کا ایک ایک لمحہ انتظارِ ربِ غفار ہوتا ہے اور اس کے جذبات ہر آن انوارِ الٰہیہ سے متاثر ہو رہے ہوتے ہیں اور اس غرض سے یہ تو اتر ہوتا ہے کہ یہ دعوتِ حق کا صحیح نمائندہ ہوتا ہے اور ہر طالبِ حق کو دعوتِ حق دینے کا مجاز ہوتا ہے۔

اس لیے باوجود اصل دین ایک ہونے کے ہر رسول کو اپنے وقت پر اپنی رسالت کی دعوت دینا واجب ہوتا ہے اور دین متین کو روشن کرنے کے لیے

Marfat.com

شریعت وقتی سے روشن کرنا ہوتا ہے۔ لیکن ہماری رسالت آخری رسالت ہے۔ اس لیے ہر صاحبِ دین کو دعوت دینا ہمارا حق ہے تاکہ وحدتِ دین کا نظریہ مکمل ہو کر ساری دنیا اس سے مستفیض ہو، اور دنیا کی زندگی ایک وحدت میں ہو کر سراسر امن و محبت ہو جائے۔ اس سے آگے اس مسئلہ کو اور واضح فرمایا جاتا ہے۔

فَاِنْ جَادَلُوکَ فَقُلِ اللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (اگر یہ لوگ آپ سے جھگڑا نکالتے رہیں تو آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو)۔

یعنی مجھے جھگڑنے کی ضرورت نہیں۔ یہ ایک ایسا جملہ ہے کہ جب کسی جھگڑے میں کہہ دیا جاوے تو مقابل کے چھکے چھوٹ جاتے ہیں اور بے چارگی اس پر چھا جاتی ہے اور اصل حقیقت کی طرف جھک جاتا ہے۔ اس پر مزید ایک دوسری آیت سے اسے تقویت پہنچائی جاتی ہے تاکہ مخاطب اپنے اندر سوچنے لگے اور داعی حق کے مقابلے سے ہٹ جائے۔ فرماتے ہیں۔

اَللّٰہُ یَحْکُمُ بَیْنَکُمْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ فِیْمَا کُنْتُمْ فِیْہِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝

اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کر دے گا اس باب میں جس میں تم اختلاف کرتے رہتے ہو۔

حق کا طالب اس آیت کے پڑھنے یا اس حقیقت کے سننے کے بعد کبھی بھی جدال اور جھگڑے میں نہ رہے گا بلکہ فوراً اس کے سامنے ایک حقیقت دین اور ایک تسلیم آجائے گی۔

غرض دین ہی ایک ذریعہ امن و سلامتی فی الارض [۱۰] ہے۔ اور فساد سے زمین کو بچانے کی غرض سے ہی دینِ فطرت پیش کیا گیا کہ اس رابطۂ دینی سے دنیا کا کونہ کونہ ایک وحدت، ایک اصول، ایک معاشرہ میں جکڑ بند ہو کر کوئی بد اخلاقی، کوئی ظلم و عداوت اور کوئی بے اعتدالی پیدا نہ ہونے دے اور ہر ظلم و نا

Marfat.com

انصافی کے دور کرنے کا اہتمام کرے۔ بے دین لوگ خواہ کتنا بھی جتن، امن کا کریں، لیکن کوئی اصول ان کے ہاتھ میں نہیں، جس کے ذریعہ انسان ایک وحدت میں آسکے۔

کسی کا یہ کہنا "کہ مذاہب اور ادیان کے باوجود جنگ و جدال جاری ہے" لیکن وہ یہ نہیں دیکھتے کہ مذہب اور دین کا نام اب باقی ہے۔ مذہب کی حقیقت کہاں مل رہی ہے؟

آج دنیا پریشانیوں میں کیوں مبتلا ہے؟ صرف اس لیے کہ قیودِ مذہب سے ہر فرد، ہر قوم، ہر خاندان آزاد ہے اور یہ آزادی ایک بچے کی آزادی کی طرح اسے بے راہ بناتی ہے۔ خود سوچئے! کتنے بچے ہیں جن سے باپ اور ماحول کا سایہ جب اٹھالیا جائے تو وہ سعادتمند ثابت ہوں یا وہ کوئی راہِ زندگی پیدا کر سکیں۔ اسی صورت میں ان کی سعادت مندی پیدا ہو سکتی ہے، جبکہ سرپرست کے ساتھ قوم و ملت اور ماحول اس کے سر پر سایہ دار ہو، ورنہ بے راہ رو گھوڑے کی طرح آخر وہ ہلاک ہو جائے گا۔

قوت مدافعتِ الٰہیہ

ربوبیت مطلقہ کائنات کے ذرّہ ذرّہ کی پرورش کنندہ اور محافظت کنندہ ہے اور وہ اپنے امر سے ہر چیز اور ہر ذرّہ کی زندگی کو قائم رکھتی ہے۔ ہر مظلوم جب دنیا کے سہاروں سے بے سہارا ہو جاتا ہے اور اپنی مظلومیت میں بے چارہ ہو جاتا ہے۔ اس وقت رحمتِ الٰہیہ جوش میں آجاتی ہے، اور مظلوم کے آڑے آتی ہے۔

اِنَّمَا اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝

یہاں تک کہ نامعلوم قوتوں اور اسباب سے ظالم کو اکھیڑ دیتی

Marfat.com

ہے اور مظلوم کو اس جگہ کھڑا کر دیتی ہے۔

جس آدمی نے تاریخ اقوام پر کچھ بھی نظر ڈالی ہے۔ اسے معلوم ہے کہ کتنی جابر اقوام کتنی ضعیف اقوام سے شکست کھا کر ہمیشہ کے لیے نابود ہو گئیں۔ قرآن حکیم کئی بار اَوَلَمْ یَسِیْرُوا فِی الْاَرْضِ [11] پر توجہ دلاتا ہے کہ کہاں عاد و ثمود گئے اور کہاں قومِ نوح چلی گئی وغیرہ وغیرہ۔ آج بھی ہم ایسے ہی دیکھتے ہیں۔ یہ قوموں تک محدود نہیں بلکہ خاندانوں اور افراد تک یہ قانون جاری و ساری ہے کہ ہر متکبر کو گرا دیا جاتا ہے اور ہر کمزور کو اٹھا دیا جاتا ہے۔ جس کے اسبابِ ظاہری کچھ نہیں ہوتے صرف باطنی قوتِ الٰہیہ اسے گرا دیتی ہے اور چندے مدت میں ایک دوسرا رنگ دنیا کی آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ جو جوتے کھاتے ہوتے ہیں وہی جوتے مارنے والے ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ بھی اپنے اعمالِ متکبرانہ کی وجہ سے پھر گر جاتے ہیں۔

زیر بحث آیت کا ماقبل اب پیش کیا جاتا ہے، جس سے یہ بات واضح ہو جائے گی۔ فرماتے ہیں۔

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا وَ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ ہ نِ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّا اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ

(سورہ الحج)

(اب لڑنے کی) اجازت دی جاتی ہے انہیں جن سے لڑائی کی جاتی رہی۔ اس لیے کہ ان پر بہت ظلم ہو چکا۔ بے شک اللہ ان کی نصرت پر (ہر طرح) قادر ہے۔ جو اپنے گھروں سے بے وجہ نکالے گئے محض اس بات پر کہ وہ یوں کہتے کہ اللہ ہمارا پروردگار ہے۔

Marfat.com

سوچئے، مظلومیت کتنی ہے کہ گھروں سے نکالے جارہے ہیں۔ اور کیوں نکالے جارہے ہیں؟ صرف اس وجہ سے کہ وہ پروردگارِ عالم کو اپنا اللہ جانتے ہیں۔ وہ مٹھی بھر نہتے مسلمان جن کی کوئی قوت نہ تھی، اور وہ اسباب زندگی سے بھی محروم تھے، ایک دنیائے کفر کے مقابلے میں کیسے اور کیوں کامیاب ہوئے؟

صرف اس لئے کہ وہ مظلوم تھے، بے چارگی کے عالم میں گھروں سے نکالے گئے اور اسی وجہ سے کہ وہ اپنے اللہ کو اپنا پروردگار مانتے تھے۔ لیکن دنیا نے دیکھا کہ وہ ظالم کہاں گئے اور مظلوم کس آن بان سے دنیا میں حکومتِ الٰہیہ کے تخت پر آکر جلوہ فرما ہوئے۔ کیوں؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم نے جوش کھایا، اور مظلومیت کی دادرسی فرمائی۔

جس طرح صفت خلق میں وہ خَالقُ السّمَاءِ وَالَارْض [۱۲] یگانہ ہے۔ اسی طرح صفت ربوبیت اور صفت مقتدر میں یگانہ، اور اس صفت کا واحد مالک ہے۔ انہیں صفاتِ عالیہ سے دنیا قائم ہے۔ ورنہ انسان اپنی قسمت کے خود مالک ہوتے ہیں۔ پالتو جانوروں کی زندگی انسانوں کے رحم پر ہوتی تو دنیا کبھی کی ختم ہو گئی ہوتی۔ کیا خوب فرماتے ہیں۔ وَالظّٰلِمِیْنَ اَعَدَّ لَھُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا (یہ عذاب ہے۔ کہ اس دنیا میں اپنے ظلم کا بدلہ خود وہی دیکھتے ہیں)

کسی مادہ پرست انسان کا بھی یہ خیال نہیں کہ عالم ہست وبود کے صرف ظاہری قویٰ خارکانۂ کائنات کو چلا رہے ہیں۔ بلکہ باطنی قویٰ سے یہ ہست وبود قائم ہے۔ فرق اتنا ہے کہ مادہ پرست غیر شعوری فطرتی قویٰ کو کارخانۂ حیات کی زندگی جانتا ہے اور ایک دیندار ان فطرتی قویٰ کو دانا وبینا سمجھتا ہے۔

ہر کائنات سے زیادہ باشعور باقوت پروردگارِ عالم ہے، جس کے امر فطرتی سے حیاتِ عالم قائم ہے۔ فرماتے ہیں:۔

Marfat.com

اِنَّ اللّٰہَ یُدَافِعُ عَنِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَایُحِبُّ کُلَّ خَوَّانٍ کَفُوْرٍ ہ

بیشک اللہ تعالیٰ ایمان والوں کی جانب سے مدافعت فرماتا ہے بیشک اللہ تعالیٰ ہر خیانت کرنے والے منکر کو ناپسند فرماتا ہے۔

یہ آیت پہلی آیت کے ماقبل ہے۔ یہ مدافعت اور حفاظت قدرتِ حقہ کے کامل اختیار میں ہے اور اس قدرتِ کاملہ کو یہ حق حقیقی نصیب ہے کہ ربوبیت کے بعد اس قدرتِ کاملہ سے ہر ذرہ سے لے کر ہر بڑی سے بڑی چیز جاندار یا غیر جاندار کی حفاظت کرے۔

قصہ فرعون و موسیٰ تو مشہور ہے۔ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ ایک سرکش حاکم یا بادشاہ کو جسے اپنی سرکشی نے خدائی تک کا دعوے دار بنا دیا تھا اس نے کیسے ایک آدمی سے جس کی قوم بھی پستی میں مبتلا تھی کس طریقہ خاص سے تباہ و برباد کرا دیا، جس کا نشان کسی دوسری مثل میں نہیں ملتا۔ لیکن ذرا غور کیا جاوے ایک فرعون ایک موسیٰ نہیں بلکہ ہر شہر اور ہر گاؤں میں کتنے فرعون اور کتنے موسیٰ ہیں جن کی ٹکر سے دنیا آباد ہے۔ ہر آن اور ہر گھڑی یہ تماشہ دیکھنے میں آتا ہے کہ طاقتور کی سرکشی ہی اس کی موت کا باعث ہوئی، اس کا تکبر ہی اس کی بربادی کا باعث ہوا۔ صرف ایک عبرت آموز نگاہ کی ضرورت ہے۔

وَکَمْ اَھْلَکْنَا قَبْلَھُمْ مِنْ قَرْنٍ ہ ھَلْ تُحِسُّ مِنْھُمْ مِنْ اَحَدٍ اَوْتَسْمَعُ لَھُمْ رِکْزاً۔

ہم نے اس سے پہلے کتنے ہی گروہوں کو ہلاک کر دیا۔ سو آپ کسی کو بھی دیکھتے ہیں یا ان کی آہٹ بھی سنتے ہیں۔

ایک دوسری جگہ فرمایا جاتا ہے

Marfat.com

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ (ق)

کتنی کھپا چکے ہیں ہم سنگتیں ان کی۔ قوتِ زبردست تھی پھر لگے کرید کرنے شہروں میں۔

وَمَآ كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰى اِلَّا وَ اَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ۝

اور ہم نہیں ہلاک کرنے والے بستیوں کو مگر جبکہ وہاں کے لوگ ظلم کرنے والے ہوں۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا۔ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا۔ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۔فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ۔

اور کتنی کھپا دیں ہم نے بستیاں جو اترا چکی تھیں اپنی گزران میں ان کے گھر بسے نہیں ان کے پیچھے مگر تھوڑے دنوں۔ کیا پھرے نہیں زمین میں جو دیکھیں کیا ہوا انجام ان سے اگلوں کا جو ان سے قوت میں زیادہ تھے اور زمین اُٹھائی اور بسائی ان کے بسانے سے زیادہ اور ان کے پاس ان کے رسول پہنچے واضح حکم لے کر اور اللہ ان پر ظلم کرنے والا نہ تھا لیکن وہ اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔

Marfat.com

غرض سینکڑوں آیاتِ قرآنی شاہد ہیں کہ یہ قوتِ مدافعت سرکش کی بربادی کا باعث ہوئی اور کمزور و ناتواں کی زندگی اور نجات کا باعث ہوئی۔ اس مطالعہ کے بعد کون قیاس یا خیال کر سکتا ہے کہ یہ قوت بے ارادی، بے حسی، بے شعوری، بے علمی، بے بصیرتی ہے۔ یہ کام تو بڑی سُوجھ بُوجھ کا ہے، کائنات کلی کے شعور سے بھی زیادہ با شعور و با احساس، زیادہ فہیم و عقیل اور زیادہ قوی، ورنہ ایک ایک ذرّہ کا خیال اور اس کی حفاظت کی اتنی اہم ذمہ داری۔ اور اس کے بعد صرف امر سے خلاصی و نجات دلائی جائے اور وہ کچھ پیدا ہو جائے جو قرنوں بعد پیدا ہونا مشکل تھا۔

صفتِ خلق پر کوئی بے دھیان یہ کہہ دے تو کہہ دے کہ یہ صفت بے شعور ہے اور خود بخود پیدا ہوتے ہیں، اور خود بخود مرتے ہیں۔ تمام تخلیق کا کارخانہ خود بخود چلتا ہے۔ لیکن یہ تسلیم کرنے کے بعد اگر یہ غور کر لیا جاوے کہ اس تخلیق کائنات میں یہ تناسب، یہ موزونیت کیسے پیدا ہو گئی؟ جمادات، نباتات اور حیوانات کی ایک ایک قسم پر غور کیا جاوے، اور اُن کے اختلافِ خلقت پر توجہ کی جائے، ان کے چھوٹے بڑے پر دھیان کیا جاوے، ان کے ظاہری و باطنی اعضا اور قویٰ پر خیال دوڑایا جاوے، تو کون بیوقوف ہے جو یہ خیال کرے کہ صرف ایک قوت ہے غیر ذی روح اور غیر ذی شعور، جس نے یہ سب کچھ پیدا کر دیا۔ وہ خود سمیع و بصیر نہیں لیکن سمیع و بصیر پیدا کئے۔ وہ خود بے شعور ہے لیکن باشعور حیوانات و نباتات پیدا کیے۔ وہ خود بے حس ہے لیکن تمام مخلوق میں حس پیدا کی۔ ہر پیدائش میں وہ حکیم۔ اس کی قدرت میں خاص تناسب۔ ایک سانپ کو دیکھو! بے دست و پا ہے لیکن کیسے دوڑتا ہے اور کتنا تیز۔ اگر ہم نے سانپ دیکھا نہ ہوتا تو ہمارے ذہن میں یہ کبھی نہ آتا کہ کوئی جانور بے دست و پا چل سکتا ہے۔ اس کے اندرونی اعضاء پر دھیان کیا جاوے۔ غرض گائے بکری کی پیدائش اور ہے اور پرندوں کی پیدائش اور۔ بچے دینے والوں پر نظر کی جائے تو ان کے اعضاء میں

Marfat.com

مختلف فرق نظر آتے ہیں اور تخلیق کے ہر حصہ میں نمایاں فرق۔

عام جانوروں کے دودھ پچھلے حصہ میں رکھے گئے بخلاف انسان کے کہ اس کا دودھ چھاتی میں رکھا گیا۔ یہی حال کتے اور بعض دوسرے جانوروں کا ہے۔ غرض جو کچھ بنایا، کوئی بھی حکمت سے خالی نہیں۔ منکر خدا بھی اس حکمتِ فطرتِ الٰہیہ کا قائل۔

یہی حال صفتِ ربوبیت کا ہے۔ ہر چیز کی پرورش کے لیے الگ خوراک اور الگ طریقے بنائے گئے۔ ایک خوراک ایک کے لیے بنائی گئی تو دوسرے کے لیے وہی موت کا باعث ہے۔ سانپ مٹی کھاتا ہے اور اپنی زندگی بناتا ہے لیکن انسان کے لیے یہ موت کا سامان ہے۔

فرماتے ہیں اِنّا خَلَقْنَاکُلَّ شَیْءٍ بِقَدَر (یعنی ہر چیز کو ہم نے اپنے قدر و اندازے کے مطابق پیدا کیا) یہ اندازہ، یہ تقدیر کیا بے شعور تسلیم کی جا سکتی ہے؟

حیرت در حیرت ہے کہ کائنات کے ہر ذرّہ بے شعور کو تو تسلیم کیا جائے لیکن ذی شعور فطرت سے انکار کیا جاوے حالانکہ ایک جاہل کے تصوّر میں بھی یہ نہیں آ سکتا کہ یہ عالم ہست و بود بے شعوری میں اتنے کروڑوں، پدموں اشیاء کو بلا شعور پیدا کر دیا گیا۔

مختصراً! کچھ اس بارے لکھ دیا گیا۔ ذی شعور اس سے سب کچھ پا جائے گا۔ ورنہ ؎

دریں ورطہ کشتی فرو شد ہزار

کہ پیدا نہ شد تختۂ بر کنار

یہ اس لیے لکھا گیا کہ توحید کی فطرت اور اس کے تاثرات اور اس کے اختلاف پر نظر ڈالتے ہوئے یہ حقیقتِ وحدہ سامنے رہے۔ ادیان کا اختلاف ایک سطحی بات ہے اور وہ ضروری ہے۔ اس میں وحدت بھی ہے، اختلاف بھی، ناسخ بھی، منسوخ بھی لیکن کسی سے بیر نہیں۔ تمام ایک درخت کی شاخیں۔ "ہر ورق دفتر

Marfat.com

یست ز معرفتِ کردگار" پر ایمان ہونا چاہیئے۔

اسلام کی توحید جو "آخر آمد بود فخر الادلین" ہے، تمام ادیان کو اپنی دعوت دینے میں اختیار کلی رکھتی ہے اور اس کے سامنے تمام ادیان کی تسلیم عین حقیقت ہے لیکن اس کے باوجود کسی مذہب اور کسی دین کی توحید سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور نہ کسی کو گردن زدنی قرار دیا جا سکتا ہے۔

ہاں! ایک ایسا اختلاف جس کی بنیاد عداوت پر جا ٹھہرے، اور جو اس توحیدی مشرب کو مٹانے کے لیے تیار ہو، اس کے لیے اسی حکم وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللّٰهِ" (اور اگر نہ ہٹایا کرتا اللہ لوگوں کو ایک کو ایک سے تو ڈھائے جاتے گرجے اور عبادت خانے اور مسجدیں جن میں اللہ کا ذکر بہت کیا جاتا ہے) پر عمل ہو گا۔ اور جہاد کے حکم پر مقابلہ ہو گا۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

Marfat.com

حواشی

۱۔ مجذوب :وہ عارف جو قیود شرعیہ سے آزاد ہو۔

۲۔ مجذوب سالک : وہ عارف جو مشاہدات غیبی رکھتے ہوئے حدود شرعیہ کا پابند ہو، یا توحید تکوینی کے غلبہ کے باوجود توحید تشریعی کا عمل مکمل رکھتا ہو۔

۳۔ ان کے دل ہیں لیکن اُن سے وہ دانشمندی نہیں لیتے اور ان کے کان ہیں لیکن وہ اُن سے حق نہیں سنتے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں پر اور اُن کے کانوں پر مہریں لگادی ہیں۔ اور ان کی آنکھوں پر پردہ (چھا گیا) ہے۔

۵۔ حضرتِ اعلیٰ قطب العالم میاں شیر محمد صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ

۶۔ کنواں کھودنے میں پہلا پانی جو نظر آئے۔

۷۔ یہ اس وہم کا جواب ہے کہ اگر قدیمی چشمۂ مذہب خراب یا گدلا ہو گیا ہو، تو پھر تازہ چشمۂ مذہب پر ساری مذہبی دنیا کیوں اکٹھی نہیں ہوتی۔ مثلاً موسوی مذہب کا سرچشمہ گدلا ہو گیا، تو عیسوی مذہب کے پھوٹنے کے بعد بھی موسوی مذہب زندہ ہے۔ اس کا جواب دیا گیا، وہ جلوہ گارِ رحمت کا نشان ہے۔

۸۔ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کو لوگوں کے قائم رہنے کا ذریعۂ و مرکز بنایا۔

۹۔ وَرَحْمَتِی وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ (حدیث نبویؐ)

۱۰۔ یعنی مسلمان جان محبت سے خالی ہو گئے تو امتحان کس کا؟

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلمان نہیں خاک کا ڈھیر ہے

۱۱۔ ارکان حج

۱۲۔ اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ

☆☆☆

۱۔ دُوسرا ترجمہ :۔ ایسے ہی ہم نے ہر گاؤں میں بڑے بڑے بد معاش پیدا کئے تاکہ وہ اپنی چالیں چلیں۔ لیکن حقیقتاً وہ اپنی چالوں سے اپنے ساتھ کھیلتے ہیں اور دھوکے کھاتے ہیں۔ مگر انہیں پتہ بھی نہیں چلتا کہ کس کو دھوکا دے رہے ہیں۔

۲۔ تشریع :وہ قانون الٰہی جو انبیا علیہم السلام کی معرفت دُنیا میں رائج ہوتا ہے۔

۳۔ تکوین : ظہور اور قیامِ عالم کی پوشیدہ حکمتیں۔

Marfat.com

۴۔ صاحب زادہ محبوب الرسول صاحب للہی

۵۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ فَرِحِيْنَ بِمَا اٰتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ اَنْ لَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ (پارہ چہارم رکوع ۱۷)

(ترجمہ) اور آپ ان لوگوں کو مردہ خیال نہ کریں جو اللہ کی راہ میں قتل ہوئے۔ بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے پاس کھاتے پیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عطاؤں پر خوش ہیں اور جو لوگ ان تک ابھی نہیں پہنچے ان کے متعلق بھی وہ خوشخبری طلب کرتے ہیں کہ ان پر بھی کوئی خوف نہیں اور نہ ہی وہ غم کھائیں گے۔

۶۔ قاری اللہ بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت اعلیٰ خواجہ غلام مرتضیٰ پیر بلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے، فیض پور نزد شرقپور شریف میں قیام تھا اور حضرت میاں صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کے دوست تھے۔

۷۔ صوفی محمد ابراہیم صاحب قصوری آپ بھی حضرتِ اعلیٰ پیر بلوی رحمۃ اللہ علیہ کے تربیت یافتہ تھے اور حضرت میاں صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ کے دوست تھے۔ خزینۂ معرفت" کے مصنف ہیں۔

۸۔ گذشتہ

۹۔ آپ اپنے پروردگار کی طرف دعوت دیں۔

۱۰۔ زمین میں۔

۱۱۔ کیا انہوں نے زمین میں گردش نہیں کی۔

۱۲۔ اور ظالموں کے کے لیے اللہ تعالیٰ نے دردناک عذاب تیار رکھا ہے۔

Marfat.com

حال و قال

عرفان کے مدارج کا فرق سلطان الہند حضرت اجمیری مجدد صاحبؒ اور شاہ ولی اللہؒ کے درمیان دریافت کرنے سے میرا مقصود یہ تھا کہ یہ فرق بدیہی اور سطحی ہے۔ لیکن علمائے کرام کیوں اس فرق کو نظر انداز کر کے میانہ انداز میں صوفیا کی صحبت بابرکت سے اپنی تشنگیٔ تصوف بجھانے کے درپے ہوتے ہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی صوفی کی خدمت میں کوئی درس لینے کے لیے حاضر ہو، اور بخاری، ہدایہ کی تحقیق چاہے۔ دوکان سے تو وہی چیز ملے گی جو اس کے اندر ہے۔ مجھے اس بات کا ہمیشہ اقرار ہے کہ میری معلومات بہت کم ہیں۔ اگر وسعتِ معلومات کا ذخیرہ ہوتا تو قدرت نے ذوقِ سلیم عنایت فرمایا تھا۔ ایسی صورت میں میں کسی سے کم نہ ہوتا۔ اوّل تو حافظہ ندارد پھر مطالعہ کا اشتیاق نہیں اور کبھی دل چاہے بھی تو طاقت اور قویٰ کام نہیں کرتے۔ شاید ایسا ہی ہو جیسے ہمارے کرم فرما فرماتے ہیں۔ میرے سامنے صرف دو شعر ان کے نام نامی[1] سے حضرت قبلہ مرشدم رحمۃ اللہ علیہ نے کئی بار تکرار فرمائے۔

وصالِ حق طلبی ہمنشین نامش باش
بہیں وصالِ خدا در وصالِ نامِ خُدا

یقین بداں کہ تو باحق نشستۂ شب و روز
چو ہمنشین تو باشد خیالِ نامِ خُدا

Marfat.com

وصال خدا در وصال نام خدا

غور کیجئے، سلوک کی ابتداء و انتہا جو کچھ بھی ہے وہ ان اشعار کے اندر موجود ہے۔ اس کی تفصیل حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے خوب بیان کی ہے۔ حقیقتاً سب کچھ یہی ہے۔ دانہ کے اندر تمام درخت اپنی پوری صورت میں ہوتا ہے۔ لیکن اسے ہر ایک نہیں دیکھ سکتا۔

حضرت قبلہؒ جب پہلے پہلے ان اشعار کو دہراتے تھے تو میں مطلق سر حقیقت سے واقف نہ تھا۔ ہزاروں جتنوں کے بعد معاملہ اختتام پر پہنچا اور خیال کیا، تو یہی تھا۔ کتنا بلند معاملہ ہے کتنے سادے الفاظ ہیں جو ''بیں وصال خدا در وصالِ نام خدا'' کے اندر ظاہر کیا گیا ہے۔ در حقیقت وصالِ خدا ہے کیا کچھ ؟ یہی وصالِ نامِ خدا۔ بھلا یہ معاملہ کسی کی سمجھ میں کیونکر آئے۔ لیکن پوچھ کر دیکھئے تو سہی کہ سالک سے کیوں ذکر جاری و ساری کرایا جاتا ہے اور وہ کیوں ذکر میں محو ہو جاتا ہے، اور محویتِ تامہ سے کیا ظہورات ہوتے ہیں۔ ذرا غور و تامل کیجئے تو سب کچھ عیاں ہے۔

ذکر کو دنیا بے فائدہ سمجھتی ہے۔ لیکن وہ فرماتے ہیں ایسا نہیں ہے۔ جب خیالِ نام خدا تیرا ہمنشیں ہو گا، تو حقیقتاً تو خدا کا ہمنشیں ہو گا۔ جس نے اسم کی خیالی ہمنشینی پیدا کی کیا اسے اپنی ہمنشینی خدا عزوجل کا اطمینان نہ ہوا۔ کیا وہ کسی دوسرے کو اپنا ہمنشیں بنانا چاہتا ہے ؟ وہ اسے اپنا مونس و ہمنشیں نہیں سمجھتا۔ مانا کہ یہ اشعار معین سنجریؒ کے نہ ہوں۔ لیکن یاد رکھیئے کہ نظم میں بھی قدرتِ کلام فطرتی ہے جو طویل مضمون کو چند الفاظِ سادہ میں سمیٹ کر رکھ دیتی ہے۔ دوسرے جب ایسی ہستی سے سُنا جو اپنے وقت کے راہِ معرفت و طریقت کے سرتاج ہیں تو لا محالہ تمثیلاً وہ الفاظ نکل گئے کہ غریب نوازؒ کے صرف دو شعر

Marfat.com

حضرت مجدّد علیہ الرحمۃ کے طویل مضامین کو اپنے اندر چُھپائے ہوئے ہیں۔

تمثیل کو جانے دیجئے۔ اصل مطلب پر آجایئے۔ کیا حقیقتاً ان بزرگوں کے اندر کوئی تفاوت ہے یا نہیں ؟ اگر ہے تو کیا ؟ اور انوکھی چال، انوکھی ادا کس کی ؟ اور فضیلت کسے ؟ یہاں میرے اور آپ کے فیصلے کی ضرورت نہیں، بلکہ ہمیں جمہور اسلام کا اور دنیا کا فیصلہ طلب کرنا ہے۔ یہاں خواص و علماء کا فیصلہ نہیں چاہیے بلکہ خواص و عوام جن کو اس راہ میں مہارت ہے۔ اور جن کو اس راہ سے دُور کا بھی تعلق نہیں وہ صحیح رائے کیا قائم کر سکتے ہیں ؟

حاشا دکلا ! کہ مجدّد علیہ الرحمۃ کی مجددیت کی شان میں میرے اندر کوئی سقم ہو۔ میں تو یہ کہتا ہوں، کہ ہمارے دوستوں نے مجدّدیت کی شان کو سمجھا ہی نہیں۔ جیسے مودودی صاحب نے مجدّدیت کوئی خاصہ قرار نہیں دیا اور ہر عالم مجاہد کو مجدّدیت دینے کے لیے ہمہ وقت تیار۔ یہ ان کے فہم کا قصور نہیں بلکہ اُس فہم کا قصور ہے جس نے ابھی تک مجدّدیت کی حقیقت تک رسائی نہیں پائی۔

ہمارے علمائے کرام نے مجدّد کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں سمجھی کہ وہ بدعت کا قاطع اور شریعت کا رہنما ہوتا ہے اور بس۔ یہی وجہ ہے کہ آج کہ ومہ مقام نبوت پر بیٹھ کر دعوتِ خلق کو اپنا فرضِ اوّلین خیال کرتا ہے حالانکہ خود اس کا قلب ماسوا سے پاک نہیں ہو سکا اور اعراض ماسوا قلب میں صفتی طور پر جگہ حاصل نہیں کر سکا ہے۔

میں نے صرف چند مکاتیب کا خلاصہ دیکھا۔ بخدائے لایزال میرے اندر یہ حقیقت روشن ہو گئی کہ ہمارے بزرگ عقیدتاً یا علماً حضرت کے مکاتیب شریف پڑھتے پڑھاتے ہیں۔ ورنہ وہ جس جذبہ سے معمور ہیں وہ جذبہ کسی کے اندر پیدا کیوں نہیں ہوتا ؟ صوفی صافی بھی ہو عالم باعمل سنن بھی ہو اور مکاتیب کا مطالعہ بھی رکھتا ہو اور پھر اس کی وہی حالت ہو جو علماء کی عام حالت ہو یا عوام کی

Marfat.com

حالت ہو۔ نوافل و سنن کے اندر اتنا زور اور فرائض سے اتنی لاپروائی۔ کاش کوئی ہوتا اور ان لوگوں کو حقیقتِ مکاتیب سے واقف کرتا۔ یہ لوگ اس پر خوش ہیں کہ حضرتؒ فرماتے ہیں جو کچھ علماء نے فرمایا ہے اور جو عقیدہ و عمل علمائے کرام کی کسوٹی پر صحیح اُترا وہی صحیح ہے اور جو ان کے نزدیک غلط ہے وہی غلط۔ بے شک یہ صحیح ہے لیکن ایسا کیوں فرمایا؟ کس حقیقت کو مدِ نظر فرما کر ایسا کہا اور وہ حقیقت آخر کیا ہے؟ مگر کسی کی بلا جانے چشتی کیا ہیں؟ نقشبندی کیا ہیں؟ ان کو عوام کی طرح ایک تقلیدی پھندہ گلے میں ڈالنے کی ضرورت ہے اور بس۔ ایک طرف مذہبی تقلیدی قلادہ ہے تو دوسری طرف قلادۂ فقر۔ خواہ دونوں چھوڑ ایک کا بھی نباہ اور برداشت نہ ہو سکے۔ غرض اپنے خیال کا پاس ہے اور بس، خواہ صحیح ہو یا غلط۔ اس سے واسطہ نہیں کہ ہمیں حق کے سامنے جانا ہے اور ہم صرف حق کے لیے پیدا ہوئے اور حق کے لیے زندہ ہیں اور حق کے لیے مریں گے۔

اب میں اصل مسئلہ کی وضاحت کرتا ہوں جس سے خود بخود حقیقت اور فرق دونوں ظاہر ہو جائیں گے۔ یاد رہے کہ توحید صرف ایک نہیں بلکہ علمی، حالی اور فطرتی تین مدارج رکھتی ہے۔

علمی توحید

علمی توحید استدلال سے قائم ہوتی ہے۔ لیکن وہ ڈھول کی طرح اندر سے کھوکھلی ہوتی ہے۔ ڈھول کی آواز دُور تک جاتی ہے۔ لیکن ڈھول کو ایک ٹھیس لگ جانے سے ڈھول چُور چُور ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہ عوام کے لیے مفید ہے اور اپنے لیے کچھ بھی نہیں۔ اسی کے بارے میں مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

پائے استدلالیاں چوبیں بود
پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

Marfat.com

اسی وجہ سے اَلْعِلْمُ حِجَابٌ اَکْبَرٌ کہا جاتا ہے۔ یہ توحید علمائے ظاہر کی ہے۔

حالی توحید

یہاں علم کا کوئی واسطہ نہیں۔ حالت سے توحید بلا استدلال تشبیہی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ مثلاً جلوہ آرائی کے لیے کوئی منظر تلاش کرتی ہے۔ اسی سے توحید وجودی پیدا ہوتی ہے۔ کثرت کو وحدت میں اور وحدت کو کثرت کے اندر نمایاں کیا جاتا ہے۔ غرض اس کے مظاہر بیشمار ہیں اور اپنی اپنی استعداد کے مطابق اس کی جلوہ گری ہوتی ہے۔ یہ پختہ ہوتی ہے اور اٹل۔ لیکن حال کے ساتھ وابستہ، حال گیا تو یہ بھی گئی۔ البتہ کسی کی ضرب سے یہ گرتی نہیں بلکہ اور مضبوط ہوتی ہے۔ اکثر اس پر وار کرنے والا اس کے اندر گر کر رہ جاتا ہے۔ یہ ہے توحید اولیائے عظام کی۔

فطرتی توحید

نہ اس کو استدلال سے واسطہ ہے نہ حال سے۔ بلکہ یہ فطرت و جبلت کے اندر ایسی ساری و جاری ہوتی ہے جیسے روح و جان تمام بدن کے اندر۔ جب تک روح و جان ہے اس وقت تک یہ بھی موجود۔ ہزاروں حال بدلیں، لاکھوں تغیرات آئیں یہ اسی طرح قائم رہتی ہے۔ نہ بلند ہے نہ پست۔ اپنی جگہ صحیح مقام پر نہایت نورانیت سے جلوہ آرا ہوتی ہے۔ تشبیہ و تشبّہ سے اسے کوئی واسطہ نہیں۔ نہ یہاں وحدت و کثرت کا خیال ہے۔ نہ یہاں کسی جلوہ گاہ کی ضرورت۔ کائنات کے ہر ذرّے کے ساتھ ہے۔ وہ خود سب کچھ دیکھتی ہے لیکن کسی کو دکھائی نہیں دیتی۔ جو اس کے سب سے زیادہ اقربیت میں رہتے ہیں وہ کہتے ہیں لاَ تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ وَھُوَیُدْرِکُ الْاَبْصَارَ[۲] کیوں اس لیے کہ وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ[۳] ہے۔ لطیف و خبیر ہونے کی دلیل کیا؟ قَدْ جَاءَکُمْ بَصَائِرُ مِنْ

Marfat.com

رَبّکُم ؑ اُٹھتے بیٹھتے، جاگتے سوتے لڑتے جھگڑتے، ہر حال میں یکساں۔ نہ نماز کے اندر زیادہ، نہ بیوی کے پاس بیٹھنے سے کم۔ یہ ہے توحید انبیاء علیہم السلام کی۔ فطرتاً ایسی توحید کو دعوت کا حق ہے۔ دوسری یا تو سرے سے حق رکھتی ہی نہیں یا جو کچھ وہ کرتی ہیں تقلیداً اور ظِلاً کرتی ہیں۔

موحدین کی اقسام

البتہ ان توحیدات کے امتزاج سے کماً وکیفاً لا تعداد اقسام توحید پیدا ہو جاتی ہیں، جن کا شمار نہیں بلکہ ہر موّحد کی توحید دوسرے موّحد سے علیٰحدہ ہوتی ہے اور ہر ایک کی توحید کا ذوق و وجدان الگ الگ۔ ہر توحید اپنے ذوق، عمل، اثر اور تشخص میں منفرد ہے۔

سب سے پہلے توحید کے تخم ظاہری لا الٰہ الا اللہ کو لیجئے۔ صاحبِ نبوت کی فطرت اسے دہراتی ہے، تو وہ اپنے ذوق فطرت سے مجبور ہو کر اس کلمہ کا تکرار کر کے اپنی فطرت کی تسکین کرتی ہے۔ اس کے سوا اس کا مقصود نہیں۔ بے اختیار وہ حقیقت اس پر آشکار ہوتی ہے جو اس کی بصارت کے اندر موجزن ہے۔ بخلاف صاحبِ حال کے، وہ اوّلاً تو تقلیداً ایسا کہتا ہے۔ لیکن حال آنے پر اپنے حال کے قائم رکھنے کے لیے یا بڑھانے کے لیے وہ دُہراتا ہے یا ہمیشہ کے لیے خاموش رہ جاتا ہے۔ اور صاحبِ علم یا تو رسماً یا تقلیداً پڑھتا پڑھاتا ہے یا ظاہراً حدودِ اسلام کے اندر رہنے کے لیے اور رکھنے اور لانے کے لیے پڑھنا ضروری خیال کرتا ہے، ورنہ اس کی بصارت میں کوئی دوسری حقیقت نمودار نہیں ہوتی جس کے مشاہدہ کی وجہ سے وہ اس کلمہ کے تکرار پر مجبور ہو۔

توحید کا سب سے بڑا ظہور

توحید کا سب سے بڑا ظہور نماز میں ہے۔ حضرت رسالت پناہیؐ فرماتے

Marfat.com

ہیں اَرِحْنِیْ یا بلالُ اور قُرَّۃُ عَیْنِی فِی الصَّلٰوۃِ[۶]۔ جب کہ طبیعت پر گرانی پیدا ہوتی تھی۔ گویا ایک سکون و قرار اور آرام نماز تھی اور تمام تھکاوٹوں کو دُور کرنے والی تھی۔ کیونکہ فطرتِ عالیہ کا ذوق وجدانی اپنے ذوق کو پُورا کرنا چاہتا تھا۔ اس کے سوا کوئی مقصود نہ ہوتا تھا۔ اس سے طلب بڑھانی مقصود نہ تھی بلکہ آتش طلب بجھانی مقصود تھی۔ بخلاف صاحبِ حال کے۔ وہ اوّل تقلیداً تو ادا کرتا ہے، پھر باطن کی ترقی کے لیے، اور معراجِ مومنین کے لیے۔ قیام ہے تو طلب میں، رکوع ہے تو طلب میں اور سجود ہے تو طلب میں۔ صاحب علم کی نماز صرف اپنے مولا کے فرائض ادا کرنے کے لیے۔ ظاہری فوائد کے لیے، اخوّت کے لیے، جماعت بندی کے لیے، مساوات کے لیے، وغیرہ وغیرہ، جس میں پرستش یا عبادت مطلقہ کا شائبہ تک نہیں۔ نہ اسے پڑھنے میں لذّت ہے اور نہ اس کی فطرت میں اس کا ذوق ہے۔ صرف رسم ہے اور بس۔ قرأت پڑھتا ہے تو یہ معلوم نہیں کہ کس کا کلام ہے، گو معانی جانتا ہے۔ وجود اور دلِ پر کوئی اثر نہیں پیدا ہوتا بلکہ جیسے نماز سے پہلے تھا ویسے نماز کے اندر اور ویسے ہی نماز سے فراغت پر۔ نہ نورِ باطن کو بڑھاتی ہے اور نہ دل کو اطمینان دلاتی ہے۔

توحید قالی و توحید حالی کی تاثیرات

الغرض تمام اعمالِ صالحہ کا یہی فرق برابر چلا آتا ہے اور ہر ایک اپنے توحیدی تخم کے مطابق اعمال، افعال، حرکات اور اثرات سے نشو و نما رکھتا ہے اور سب کے مطابق صاحبِ توحید کے جذبات ہوتے ہیں اور ان جذبات کی ترجمانی بھی اپنے اپنے خاص رنگ ڈھنگ میں ہوتی ہے۔ صاحبِ فطرت کے سارے الفاظ فطرت و جذباتِ انسانی کو اپیل کرنے والے ہوں گے اور صاحب حال کی زبان گنگ۔ صرف حال اپنی ترجمانی آپ کر رہا ہے۔ آنکھ ہے تو مسحور، چہرہ ہے تو

Marfat.com

نور علی نور، ایک نظر اٹھی اور سب کفر دُور ہوئے۔ اور چہرہ کا پھیلنا ہے کہ سینکڑوں بُت گر گئے۔ لیکن ادھر صاحب علم کی زبان سیف ہو رہی ہے۔ دل کے اندر بعد میں آتا ہے لیکن زبان پر پہلے آنکلتا ہے۔ علمی استدلال اتنا زبردست کہ عقلیں حیران رہ جاتی ہیں۔ لیکن جب بہت کچھ ہو جاتا ہے تو نہ میاں کے اپنے اندر کچھ ہے اور نہ کسی دوسرے کے اندر کچھ۔ ہاں استدلال ہے اور قوتِ بیان۔ البتہ عقلی اور استدلالی آدمی پر کچھ نہ کچھ جادُو چل جاتا ہے اور کچھ نہ سہی تو ظاہری طور یعنی عقلی طور پر موحد ہو بیٹھتا ہے۔

مراتب اور مدارج کا فرق بدیہی ہے

اس تعقل کے بعد اگر آپ تمام انبیاء پر نظر ڈالیں گے تو آپ کو بداہتاً خود بخود اس حقیقت سے انکار نہ ہو گا کہ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۔ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء اپنے اپنے مناصب اور مدارج پر کھڑے صاف نظر آتے ہیں۔ اگرچہ خاص امتیاز ہر ایک کا دکھایا نہیں جا سکتا تاہم صاحب بصیرت سے کچھ پوشیدہ بھی نہیں۔ بعینہٖ اسی طرح اولیاء بھی اپنے مدارج اور مناصب پر کھڑے نظر آتے ہیں۔ کوئی ایسا ہے کہ کسی دو کو ایک جگہ اور ایک منصب پر خیال کرے۔ دُور کیوں جائیے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ ہی کو لے لیجئے۔ ایک مرشد ہے اور ایک مرید۔ کیا دونوں کے الگ الگ مناصب اور مدارج نظر نہیں آ رہے۔ خواہ ان کے کلام اور کمالات نہ بھی دیکھے ہوں۔ ایک پر دوسرے کی فضیلت کا پتہ نہیں چلتا؟ اگر چلتا ہے تو پھر کیا بداہتاً ہم اجمیریؒ اور سرہندیؒ اور دہلویؒ میں فرق دیکھ نہیں رہے؟ اگر دیکھ رہے ہیں اور یقیناً دیکھ رہے ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ ہم اپنے منہ سے نہ کہیں؟ کیا یہ تنقید ہو گی یا ایک مشاہدہ کا بیان؟ میں حیران ہوں کیوں

Marfat.com

دوست احباب ایسی سادہ باتوں کو معمات کی صورت میں بدل دیتے ہیں ؟

توحید حالی کے اثرات

اب آیئے، ذرا خود دیکھئے کہ ان حضرات میں کیا فرق ہے۔ حضرت قبلہ مجدد علیہ الرحمۃ کو مجدد اور سلطانؒ الہند کو سلطان الہندؒ اور امام الہندؒ کو امامؒ الہند کے القاب کس نے دیئے اور کیوں دیئے۔ کیا ان کا علم و عمل برابر ہے۔ کیا ان کا حال و قال مساوی درجہ رکھتا ہے کیا ان کی توحید ایک ہے۔ کیا ان کی دعوت کے اثرات ایک ہیں۔ اور ان کی کلام کے حلاوت کا مزا ایک ہے ؟ جسے اللہ جل شانہ نے کچھ بھی بصیرت دی ہو وہ کھلے طور پر ہر ایک کو اپنے اپنے تشخصات علمیہ و عملیہ، حالیہ وذوقیہ میں دیکھتا ہے۔ حضرت اجمیریؒ صرف اپنی توحید حالی سے سلطان الہند کہلائے۔ نہ ان کو دعوت کا حکم ملتا ہے۔ نہ ان کی زبان ہلتی ہے۔ نہ ان کے قلم میں جنبش آتی ہے۔ جو کچھ ہے اندر ہی اندر ہے۔ اگر کچھ نکلتا ہے تو آنکھوں کے ذریعے یا چہرہ بشرہ کے ذریعہ لیکن لطف یہ کہ سارا ہندوستان کفرستان ہے۔ ایک متنفس بھی توحید سے آشنا نہیں۔ یہ اللہ کا بندہ اپنے حال بس مست اپنی دُھن میں صرف اجمیر کا راستہ لیے چلا جاتا ہے۔ اور اس کا مقصود اجمیر پہنچنا ہے اور بس۔ لاکھوں سرکش سامنے آتے ہیں۔ سینکڑوں منکرانِ توحید مقابل آجاتے ہیں اور بیسیوں سازشیں کرتے ہیں۔ لیکن یہ اللہ کا بندہ خاموش اپنے حال میں مست۔ جو بھی سامنے آتا ہے گرنے کے سوا چارہ نہیں دیکھتا۔ راجے مہاراجے سب مقابلہ کے لیے منتر جنتر لے کر آئے لیکن بڑھے تو کیا دیکھا، پلٹے تو کس حال میں ؟ سینکڑوں نہیں ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں دم بخود ہو کر اس کا توحیدی کلمہ الاپتے گئے۔

دوسری طرف دیکھئے، شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان کے ایک

Marfat.com

بزرگ اور بابرکت خاندان میں پیدا ہوئے۔ ہر قسم کے دینی علوم میں مہارت پیدا کی۔ تصوف کی چاشنی اچھے سے اچھے بزرگوں سے لے کر مسند آرائے فضیلت ہوئے۔ توحید اور اس کے معارف اور لوازمات سے دفتروں کے دفتر لکھ دئے۔ اسلامی توحید کا کوئی ایک شعبہ نہیں جس پر آپ کی تصنیف اپنی نظیر آپ نہ ہو۔ خود تصوف پر کئی ایک رسالے لکھے جن کے دیکھنے سے عقل متحیر ہو جاتی ہے۔ لیکن ان سے وہ کچھ نہ ہو سکا، جو اجمیریؒ کی ساحرانہ نگاہ نے کیا تھا۔ کوئی آپ کو دیکھتا بھی ہے تو علمی نقطۂ سے اور سند پیش ہوتی ہے تو امام الہندؒ کی۔ گو وہ تصوف کا خاصہ مذاق رکھتے ہیں لیکن کوئی ان کو اس نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ آپؒ کے تمام علمی کارناموں میں تصوف کا ہلکا رنگ برابر ہے۔ لیکن اس کے لیے کوئی ان کا شیدائی نہیں، بلکہ ان کے علمی وجدان وذوق کے لیے ان کے سامنے محوادب ہے۔ اور علمی توحید حاصل کرنے والوں کا مجمع ان کے گرداگرد بخاری و مسلم پڑھنے کے لیے بیٹھا نظر آتا ہے۔ اور کوئی ایک متنفس بھی ان کی خدمت میں ایسا نظر نہیں آتا جو مراقب ہو کر اُس کی تلاش میں ہو، جس کے لیے یہ سب کچھ ہے۔

تیسری جگہ پر حضرت مجددؒ تشریف لاتے ہیں۔ علم میں وہ کمال تو نہیں جو حضرت شاہ صاحبؒ کا ہے اور حال میں اس انتہا کی جادوگری تو نہیں رکھتے جو غریب نوازؒ کے اندر تھی لیکن قدرت نے ایک ایسا مساوی امتزاج حال و قال کا آپ کے اندر ودیعت فرمایا کہ نہ حال کو قال سے جُدا کیا جا سکا اور نہ قال کو حال سے۔ علم کو حال کے اندر ایسا غوطہ دیا کہ علم کی حقیقت ہی بدل دی اور حال کو علم کے اندر ایسے چھپایا کہ کوئی پہچان تک نہیں سکتا کہ اس کے اندر ہے کیا؟

غرض جب سے نبوت کا سلسلہ ختم ہوا، اس وقت سے لے کر آج تک ایسا سپوت دنیا نے نہیں پیدا کیا، جس کے اندر یہ دونوں اوصاف مساویانہ درجہ پر اس موزونیت کے ساتھ ودیعت فرمائے گئے ہوں۔ نہ قال کی تیزی ہے نہ حال کا

Marfat.com

جنون ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیر و شکر مساویانہ امتزاج لے کر ہر دل کی سیرابی کا باعث ہو رہے ہیں۔ نہ تو کوئی صاحب علم دم مار سکتا ہے اور نہ صاحبِ حال باہر نکل سکتا ہے۔ جہاں علم کو حال کے شیشہ میں اُتار کر دنیائے علم کو حیران کر دیا وہاں حال کو علم کے لباس سے مزین فرما کر حال کی صورت کو دو گنا تگنا نہیں سینکڑوں درجہ موزونیت کی نورانی صورت بنا کر صاحب احوال کا دل موہ لیا۔

یہ توحیدی رنگ اگرچہ انتہائی درجہ نہیں رکھتا لیکن اس کی نرالی صورت فطرتی توحید سے زیادہ مشابہ ہے اور صاحب نبوت کے ساتھ زیادہ تعلق رکھتی ہے۔ اگر کوئی کامل غور کرے تو اس کے خدوخال، قدو قامت بہت قریبی مشابہت فطرتی توحید سے رکھتے ہیں لیکن عین وہ نہیں۔ گو مناسبت بہت زیادہ ہے اور عام دیکھنے والے اسے ظل قرار دے سکتے ہیں لیکن حقیقتاً ایسا نہیں۔ وہ کچھ اور یہ کچھ اور، لاکھوں درجہ کا فرق۔ ایک طرف حضرت مجددؒ کے کلام کا مطالعہ کیا جاوے اور دوسری طرف حدیث و قرآن کو غور سے پڑھا جائے۔ پھر ان کا موازنہ اور مقابلہ کیا جائے تو دیکھئے فطرت کے صحیح متوازی اور مناسب امتزاج کس کے اندر موجزن ہیں۔

قرآن پاک ایک سادہ عقل کے سامنے پڑھا جائے تو اس کے دل میں گھر کر جاتا ہے۔ ایک بلند عقل دیکھے، تو حیران ہو جاتی ہے۔ لیکن مکتوبات شریف کا یہ حال نہیں۔ یہ وہی سمجھیں گے جن کو اس راہ (حال و قال) میں دسترس ہو، اور جن کے اندر کچھ دیکھنے سمجھنے کا سامان پہلے سے مہیا ہو۔ بخلاف قرآن و حدیث کے اس کے لیے صرف توجۂ انسانی درکار ہے اور بس۔ اس کے بعد فطرتِ انسانی فطری قویٰ کے اندر خود بخود داخل ہوتی جاتی ہے اور فطرت اپنی فطرتی پیاس بجھتی دیکھ کر اپنا دل لے کر بیٹھ جاتی ہے۔

حضرت نبی کریم ﷺ کی سیرت اور حضرت مجددؒ علیہ الرحمۃ کے سوانح

Marfat.com

کا ایک سرسری مطالعہ بھی جس نے کیا وہ ظاہر دیکھ سکتے ہیں کہ آنحضرتؐ کے ساتھ باوجود ایک بڑی نسبت اور بڑی مشابہت کے، جس کے حاصل کرنے اور ترویج دینے کے لیے مجدد علیہ الرحمۃ نے تمام عمر صرف کی، پھر بھی کتنا بلند فرق امتیازی کھلم کھلا نظر آتا ہے۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔

وہاں سراسر فطرت ہے اور یہاں سراسر تصنع۔ یہاں کے ذکر واذکار اور وہاں کے ذکر واذکار، یہاں کی مجالس علمی ذوقی، اور وہاں کے محافل فطری کا مقابلہ کر کے ذرا غور تو فرمایا جاوے۔ بیشک دعوت کے لیے خالق سے خلقت کی طرف رجوع میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کا رتبہ بہت بلند ہے۔ لیکن اس کے اندر حال ہی نظر آتا ہے اور کیا حال ہی آپ کو اس حال کی طرف نہیں لایا؟

بہر حال توحید اپنا ایک خاص رنگ پیدا کرتی ہے۔ اور اپنے حال کے مطابق ایک راہ اور مسلک تلاش کرتی ہے، پھر اس راہ اور مسلک پر اپنا تمام زور لگاتی ہے۔ گو وہ راستہ بلندی کا ہو یا پستی کا، خالق کا یا خلقت کا، ملکوتی ہو یا ناسوتی، کشفی ہو یا غیر کشفی، اصلاح سے تعلق رکھے، ظاہر سے ہو یا باطن سے، بہر صورت حال ہی سب کچھ ایسا کراتا ہے۔ اس لیے کوئی حال بھی خواہ کس قدر فطرت سے مشابہ ہو فطرتی کہلانے کا استحقاق نہیں رکھتا۔

توحید کی فطرتِ صحیحہ کیا ہے؟

پھر اگر جمع اضداد یا مصدر صفات متضادہ کا نام توحید ہے۔ تو یہ بے شک اپنی وسعتِ کمالات میں بہت وسیع اور تمام کائنات پر محیط ہے۔ اگر خالق کی صفات چھوڑ کر خلقت کے اعتبار سے توحید کا مطمئح نظر دیکھا جائے تو توحید انبیاء کا مسلک نہایت بلند اور اکمل اور اس کے پھلنے پھولنے کے سوا چارہ نہیں۔ لیکن لطف یہ ہے کہ یہ بھی اس وسیع توحید کے آثار و لوازم سے پُر ہے۔ ایسی صورت

Marfat.com

میں کوئی فیصلہ کُلی نہیں دیا جا سکتا کہ کس توحید کا درجہ بلند ہے؟ فطرت کی وجہ سے وہی بلند جو اس کی فطرتی خوبیوں سے پُر ہو۔ لیکن منشائے ظہور فطرت پر توجہ رکھی جائے، تو یہی انبیاء علیہم السلام کی توحید بلند ہے۔ بلکہ خود توحید اپنے لیے یہی موزوں مقام جب پسند کرتی ہے تو پھر کسی دوسرے کا کچھ کہنا سب بے جا۔ لیکن اس کے اندر بھی شک نہیں کہ ہر قسم کا توحیدی رنگ اس کے اندر سما نہیں سکتا۔ یہ اپنے مخصوص رنگ کے سوا کسی دوسرے رنگ کو دیکھنا پسند نہیں کرتی۔ بخلاف اوّل[9] کہ وہ تمام اپنی اقسام اور اپنے تمام رنگوں کو اپنانا جانتی ہے۔ وہ عام ربوبیت کے درجہ پر بیٹھ کر ہر وقت خنداں ہے، اسے کسی سے بیر نہیں، کسی سے ناراض نہیں، کسی سے خاص تعلق نہیں، اور نہ کسی سے یگانگت۔ وہ اپنا اور پرایا نہیں دیکھتی، اس کی آنکھ میں سب برابر ؎

اے کریمے کہ از خزانۂ غیب
گبر و ترسا وظیفہ خور داری
دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ بادشمناں نظر داری

یہ اس کی نرالی شان ہے۔ قرآن پاک خود اس حقیقت سے پُر ہے۔

اسی وسعتِ حوصلہ کا نتیجہ ہے کہ اکبر جیسا بے دین شہنشاہ پا پیادہ آگرہ سے اجمیر جا کر حضرت اجمیریؒ کے مزار پُر انوار کی قدمبوسی اور خاکبوسی کو فخر جانتا ہے، اور جابجا فخر سے ذکر کرتا ہے۔ حالانکہ جہانگیر، اورنگ زیب باوجود عقید تمندی کے دربار مجددی میں حاضر ہونے پر اپنا انکسار اس درجہ پر دکھا نہیں[10] سکے۔ آخر وجہ کیا؟ کیا ان کی عقیدت کم تھی، یا انہیں ایسا کرنے کی اجازت اور موقع نہ ملا۔ وہ دنیا کی مراد کے لیے جاتا ہے اور یہ سراسر دین کے لیے۔ آخر کوئی جذبہ تو اجمیریؒ کے مزارِ پر نوار کے اندر تھا جس نے اکبر جیسے شہنشاہ کو اپنے دربار

Marfat.com

میں اس طرح گھسیٹا۔

جہاں علم کو ظاہر کے ساتھ تعلق ہے، وہاں حال کو باطن کے ساتھ ویسے ہی تعلق ہے۔ جہانبانی[۱۱] اگر علم سے مناسبت رکھتی ہے تو جہانداری حال کے ساتھ۔ اصل فطرت کے ساتھ دونوں کو برابر کی نسبت ہے۔ علم کو ظاہری اسوۂ حسنہ سے، تو حال کو باطن کے اندرونی کوائف سے۔ علم مخلوق سے خالق کی طرف جاتا ہے، تو حال خالق سے مخلوق کی طرف آنکلتا ہے۔ ایک عبادت اس لیے کرتا ہے کہ معرفت نصیب ہو دوسرا اس لیے کہ معرفت اسے سر اٹھانے نہیں دیتی، اور اپنے سامنے سر بسجود رکھتی ہے، بلکہ اس کے سوا وہ اپنے اندر چارہ نہیں دیکھتا۔ ایک کا سر اخالق تک ہے اور دوسرے کا سرا مخلوق کی حد سے شروع ہوتا ہے۔ ایک کا رُخ اوپر کی طرف ہے اور دوسرے کا منہ نیچے کی طرف۔ ایسی صورت میں کس کی مجال ہے کہ حال کو علم سے کم کہے، اور حال سے بڑھ کر علم کا شیدائی ہو۔ وہ تمام باتیں جو سننے میں آئی ہیں، وہ ان لوگوں کی ہیں جو یک سُو ہو کر اپنے فیصلے دیتے ہیں۔ اور جس کی دونوں آنکھوں میں بصارت ہے۔ وہ کلی فیصلہ کا حق خدائے علام الغیوب کے حوالے کر کے دم بخود رہتا ہے۔

حضرت غوث اعظمؒ، امام غزالیؒ اور ابن عربیؒ کا حال و قال

حضرت پیر دستگیر غوث الاعظمؒ کو حال نے غوث بنایا، یا قال نے ؟ اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کو علم نے عزت بخشی یا تصوف نے ؟ حالانکہ وہ تصوف کے نہایت باریک بین عارفین میں سے تھے۔ اسی طرح محی الدین ابنِ عربیؒ صاحب سے حال نے وہ سب کچھ کہلوایا جو انہوں نے کہا یا علم نے ان کی زبان درازی کی۔ پھر باوجود حال بلند ہونے کے وہ کچھ نہ کر سکے[۱۲] جو غوث الاعظمؒ کر گئے۔ آخر اس کی وجہ کیا؟ غوث الاعظمؒ بھی بلند مقام رکھنے کے

Marfat.com

ساتھ تصانیف بلند کے مالک ہیں اور ابنِ عربیؒ بھی تصانیف غریبہ رکھتے ہوئے مقاماتِ عالیہ سے سر فراز۔ دونوں سے حال نے ہی سب کچھ کہلوایا۔ لیکن غور کیا جاوے تو ایک کے اندر علم کی خاصی باریکی حال کے اندر پہنچ گئی ہے جو اس کے علم کو اتنے بلند درجے پر لے گئی کہ عقل حیران ہے۔ اسی وجہ سے جن کی سمجھ سے بالا ہو گئی، انہوں نے اسے پایۂ اعتبار سے گرا دیا۔ یہ باریکی علم بھی تو حال نے پیدا کی تھی۔ بخلاف غوثِ اعظمؒ وہ اپنے حال میں مست جو کچھ لکھتے ہیں حال کی تیزی ہی سے، اپنی دبی زبان سے گاہ بگاہ کچھ گنگناتے لکھتے ہیں، ورنہ ذاتی طور پر اس کی طرف رُخ نہیں۔

زیادہ واضح مثال دیکھنا چاہیں تو ایک نظر عینی لحقائق امام السنۃ ابن تیمیہؒ (اور) امام الہدیٰ ابن جوزیؒ پر نظر ڈالیں۔ وہ صرف سنتِ نبویؐ کے اندر فکر و غور کرنے سے کس مقام پر پہنچے! آخر ان کا علم حال میں تبدیل ہو گیا اور ان کے حالی علم نے ہزاروں لاکھوں کو گھسیٹا اور اپنے حالی علم میں اتنے غوطے دیئے کہ کسی کو خبر تک نہ رہی اور اسی نشہ میں مرے۔ لیکن یہ حال الگ ہے جو علم سے ناشی (پیدا) ہوا۔ اور وہ حال الگ جو معلوم سے پیدا ہو کر اس کی صفات کی طرف متوجہ ہوا۔ بہر صورت صفات سے ذات کی طرف جانا اور ذات سے صفات کی طرف متوجہ ہونا اپنے اثرات دونوں الگ الگ رکھتے ہیں۔ عملاً آخری توحید یعنی ذات سے صفات کی طرف جانا زیادہ مؤثر ہے۔ اور یہی فطرتی توحید کا حقیقی رنگ ہے۔ تمام انبیا علیہم السلام خالق سے مخلوق کی طرف متوجہ ہوئے۔

الغرض ذات سے جب کلی تعلق پیدا جاتا ہے تو صاحبِ حال کسی نہ کسی صفت سے ذات کی طرف خود بخود اپنی ذاتی فطرت کے مطابق جس کی استعداد اس کے اندر ودیعت فرمائی گئی ہوتی ہے، متوجہ ہوتا ہے۔ کوئی صفت علم کی طرف اور کوئی صفت تکوین کی طرف۔ پہلے کی انتہا قطب ارشاد پر ہے اور دوسرے کی اخیر

Marfat.com

قطب مدار پر۔ بہت کم ایسی خوش نصیب پاک ہستیاں بھی ہیں جن کو دونوں صفات میں طیر ان نصیب ہو کر بیک وقت قطب ارشاد و قطب مدار ہو کر دنیا میں روشن ہوئی ہیں۔

علیٰ ہذا القیاس تمام صفات ذاتیہ کا یہی حال ہے۔ ذات کا حال جس صفت کی طرف متوجہ ہو گا، اسی صفت کی تکمیل ہو گی۔ اور اسی صفت کا ظہور صاحبِ حال کی ذات میں زیادہ بلند ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اولیاء کلی فضیلت حاصل نہ کرنے کے باوجود کسی ایک صفت کی وجہ سے دنیا میں کامل شہرت رکھتے ہیں۔ بخلاف دیگر کہ مجموعی طور پر۔ وہ افضل ہوتے ہیں لیکن خاص حال پیدا نہ ہونے کی وجہ سے وہ اپنا پایہ بلند نہیں پاتے۔

مجدد اعظم علیہ الرحمۃ کا کار نمایاں بظاہر وہی کچھ ہے جو امام السنۃ ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ کا ہے۔ لیکن ان کے اندر اور جذبہ کار فرما ہے اور مجددؒ کے اندر اور۔ یہ حکم ذاتِ خصوصی سے سب کچھ کر رہے ہیں اور وہ حکم عمومی ذات سے یعنی قرآن و حدیث کے عام حکم کے ماتحت۔ اور یہ حضرت وہی کرتے ہیں جو اُن کو خود الہاماً دکھا جاتا ہے، وہ کوئی مثالی صورت تقرب کی خود نہیں دیکھتے اور نہ اپنے تقرب کا اظہار کر سکتے ہیں۔ اور یہ اپنے تقرب کے مناصبِ عالیہ خود دیکھتے ہیں، اور ساری دنیا کو ان سے روشناس کرانا اپنا فرض جانتے ہیں۔ تاہم اس سے انکار نہیں کہ آپ کا حال جب نہایت بلند ہوا اور سیر فی اللہ پر گامزن ہوئے تو آپ کی سیر کا رخ اس علم کی طرف تھا جو آپ نے اہل تدریس سے حاصل کیا تھا، اور جس کی امواج نے کسی زمانہ میں آپ کو اپنے اندر مستغرق کر رکھا تھا۔

باوجود انتہائی صاحبِ حال ہونے کے آپ ہر حرکت ناپسند شرع اور علم پر ملامت کرتے تھے۔ بخلاف اہل علم کے کہ وہ کھوکھلے ہو چکے تھے اور ظاہری تقلید اور خشک زہد کے سوا ان کے اندر کچھ نہ رہا تھا۔ تاہم کسی موقعہ پر آپ ان کو ملامت نہیں

Marfat.com

فرماتے بلکہ آپ ان کی اصلاح فرماتے ہیں اور حقائق و معارف بیان فرما کر ان کا دل متوجہ فرماتے ہیں۔ الغرض آپ کے حال نے علم پر وہ آب و تاب دی کہ دیکھنے والے حیران رہ گئے اور ہر طرف سے مرحبا مرحبا کی آواز اٹھنے لگی۔ اہل علم نے اپنی صداقتِ علمی کو ایسے رنگ میں دیکھا جو پہلے دیکھنے میں نہ آیا تھا۔ اہل حال نے اپنے نقائص اور اپنی کمزوریوں کو دیکھ کر اپنے مولا کا شکر ادا کیا کہ ان کو اس زندگی میں استغفار حقیقی پڑھنے کا موقعہ میسر آگیا ورنہ ہمیشہ کے لیے پچھتاتے۔

قرآن پاک کو دیکھیں گے تو صاف معلوم ہو گا کہ وہ سراسر عقل و علم و دانش ہے۔ لیکن یہ تمام عقل و دانش اور علم کس سے پیدا ہوا۔ یہ سراسر حال سے پیدا ہو کر تمام عقول انسانی کو اپنی طرف متوجہ کرنے والا تھا۔ لیکن یہ صرف عقول کو روشن کرنے کے لیے نہیں آیا تھا بلکہ دلوں کو صاف کرنے کے لیے اور روشن کرنے کے لیے نازل ہوا۔ اور ایسے حال میں جبکہ نبوت سراسر حال ہوتی تھی اور عقل کی گرفت سے بالکل آزاد ہوتی تھی، ایسے حال میں کون انسان صحیح الفطرت ہے، جو حال کی اہمیت سے انکار کرے اور علم کو بلند پایہ کہے۔

حال و قال کی آمیزش

نبی کریم ﷺ کو جب فطرت مطلقہ تسلی دیتی ہے تو فرماتی ہے اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ[۱۳]۔ نبوت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ صراط مستقیم پر اس کی فطرت ہوتی ہے۔ یعنی ایک میانہ روی پر۔ سو اس حیثیت سے وہی صوفی بلند پایہ ہے جو صراطِ مستقیم کی راہ پر ہو نہ کہ حال میں مست ہو کر مجذوب ہو گیا ہو یا قال میں محو ہو کر اپنی شان گرا بیٹھا ہو۔ یہ دونوں حال فطرت سے دور ہیں۔ بلکہ حال و قال کی آمیزش سے ایسا معجون مرکب تیار ہونا چاہئے کہ دونوں میں تمیز کرنی مشکل ہو جائے۔ بلکہ ایک کو

Marfat.com

دوسرے سے جُدا نہ کیا جا سکے۔ یہی خصوصیتِ ممتاز ہے، جس نے حضرت مجددؒ کو مجدّدیت کے بلند منصب پر سر فراز فرمایا۔ ورنہ آپؒ سے بڑھ کر کئی ہستیاں اسلام کے اندر ایسی گنی جا سکتی ہیں جن کے علم و معارف کا پایہ بہت بلند ہے اور جن کی خدماتِ اسلامی اتنی ہیں کہ تمام دنیائے اسلام اوّلاً و آخراً ہمیشہ کے لیے فائدہ اُٹھاتی رہی اور اٹھاتی رہے گی۔ مثل مشہور ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ تو پھر ایسی پاک ہستیوں کے کارناموں کو کیونکر نظر انداز کیا جا سکتا ہے خواہ وہ علمی ہوں یا حالی۔ احیائے دین کے دو شعبے ہیں۔ ایک اندرونی تقویت، ایک بیرونی اشاعت۔ دوسرے شعبہ کا مدار پہلے پر ہے۔ اور پہلا جب تک موجود نہ ہو دوسرا پیدا نہیں ہو سکتا۔ حضرت مجدد کا بڑا کارنامہ اندرونی تقویت ہے اور زیادہ تر آپؒ اسی میں متصرف رہے لیکن یَدْ خُلُوْنَ فِی دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا[۱۴] کا طغرائے امتیاز سلطان الہندؒ کو سر زمین ہندوستان میں نصیب ہوا۔ ایسی صورت میں سلطانؒ الہند کو کیونکر گرایا جا سکتا ہے؟

آج ہر دو پاک نفوس کے مزاراتِ پُرانوار پر حاضر ہو کر تماشہ دیکھئے تو بالکلیہ ان کی زندگی پاک کا تمام نقشہ سامنے آجاتا ہے۔ سلطان الہندؒ کے مزار پر اپنے پرائے کی تمیز نہیں۔ شاہ و گدا ایکساں نثار ہو رہے ہیں۔ سیاہ کار سے سیاہ کار بھی روشن ترین دل کے دوش بدوش کھڑا نظر آتا ہے۔ اور خواہش اور مطلوب کے لیے دردمندانہ توجہ اس قدسی صفات کی طرف تمام عالم کی ہے۔ حتیٰ کہ جو اسلام سے سرفراز نہیں وہ بھی ان کے درِ دولت پر عقید تمندانہ جا کر اپنی پیاس بجھاتا ہے۔

بخلاف حضرت مجدّد علیہ الرحمۃ کے، حلقہ اتنا وسیع نہیں۔ جو ہیں وہ بھی اپنے پاک نفوس کے سوا، کسی کی طاقت نہیں کہ آنکھ اٹھائے، اور وہ بھی صرف صفائی قلب کے لیے اور بس۔ کچھ اور مانگنا ہو تو اس دربار میں اس کے لیے گنجائش

Marfat.com

نہیں۔ اگر ہے بھی تو پھر اپنوں کے لیے، غیروں کو یہ دروازہ کھٹکھٹانا گناہ نہیں تو معیوب ضرور ہے۔ یہاں قرآنِ پاک ہے اور مراقبہ۔ اس کے سوا کسی دوسری چیز کی گنجائش نہیں۔

الغرض اگر تمام اولیائے کرام پر آج نظر ڈالی جاوے یا ان کے مزاراتِ مقدسہ پر حاضر ہو کر دیکھا جاوے تو جو کچھ وہ اپنی زندگی میں تھے ایسے ہی آج کچھ نظر آرہے ہیں۔ جس طرح وہ اپنی حیات ظاہر میں اپنے اخلاق اور مراتب و کوائف رکھتے تھے اسی طرح بعینہ ان کی مزارات پر انوار فعت کا پتہ دے رہے ہیں۔ ایسی صورت میں کوئی درماندہ اپنی بصارت سے جو کچھ بداہتاً دیکھے اور بیان کر دے تو اس کے معنی یہ نہ ہوئے کہ اس نے کسی بزرگ ہستی پر اعتراض کیا ہے یا اس کی عیب جوئی کی ہے یا تنقید یہ جو کچھ لکھا گیا مختصراً لکھا گیا۔ ؎

قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا

حضرت قبلہ جدامجد رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت سرہندیؒ کے ادنیٰ سلسلہ داروں سے ہیں۔ یہ ناقص، کروڑوں درجہ ان سے بھی کم ہے۔ چہ جائیکہ حضرت سرہندی رحمۃ اللہ علیہ۔ یہ جو کچھ ہے علمی مذاق (ذوق) کی وجہ سے لکھا گیا ہے۔ ورنہ حالاً یہ سب کچھ گناہ ہے۔ مولیٰ کریم معاف فرماوے!

حضرت شاہ ولی اللہ اور خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے احوال و کیفیات

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ اور سلطان الہند رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر خیر ہو چکا ہے۔ تیسرے نمبر پر حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ تھے جن کی زندگی اور حیاتِ طیبہ کا اجمالی عکس بھی سامنے کر دیا ہے۔ لیکن اس امام الہندؒ کے مزارِ پرُ انوار کا نقشہ گو اصحابِ علم سے پوشیدہ نہ ہو گا اور نہ اصحابِ باطن سے کچھ چھپا ہوا ہے

Marfat.com

لیکن ناظرین کے ذہن میں لانے کے لیے اتنا ہی لکھنا کافی سے کہ دلی میں بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جن کو آپؒ کے مزارِ پرُانوار کے دیکھنے کا شوق دامنگیر ہو یا ان سے کوئی خاص عقیدت علمی عقیدت کے سوا روحانی ہو، جو کسی کو بے اختیار اس درِ دَولت پر لے جاوے۔ بلکہ اکثر باشندگاں ان کی ذاتِ بابرکات کی شناسائی سے بھی محروم۔ چہ جائیکہ اُن کو ان کے مسکنِ دائمی پہ جانا نصیب ہو۔ ترکمان دروازہ کے باہر وہ جس خاموشی سے لیٹے ہوئے ہیں، ان کی ذاتی کیفیت کی سادہ مثال یا ایک ظاہری نمونہ ہے۔ نہ زائرین کا اژدہام ہے نہ مجاورین کا شوروغل۔ نہ مقبرہ کی شان و شوکت والی عمارت سر پر۔ ایک سادہ قبر کے نیچے اپنی سادگی، اور اپنے تخیل علوی میں لیٹے ہوئے ہیں۔ کسی آنے جانے والے کی طرف التفات تک نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب بھی کسی تالیف میں مصروف ہیں۔ کوئی جاتا بھی ہے تو چار قل کا فاتحہ پڑھ کر اٹھ آتا ہے۔ کسی کے نہ آنسو پھوٹتے ہیں اور نہ کسی کو کوئی کیفیت ملتی ہے۔ غرض جیسے زندگی میں تھے ویسے ہی زندگی کے بعد اب دکھائی دیتے ہیں۔ علماء کرام جن کو آپؒ کی ذات کے ساتھ بڑی دلبستگی اور بھاری عقیدت ہے وہ بھی آپ کے علمی تذکرہ کے سوا اپنے منہ سے کچھ نہیں نکالتے۔ اوّل تو کسی کو وہاں تک جانا نصیب نہیں۔ اگر کوئی گاہ بگاہ چلا بھی جائے تو اسے گھر پلٹنے کا خیال جانے سے پہلے آدھمکتا ہے۔ قبر کا نقشہ بعینہٖ اپنی زبانِ حال سے اپنے زائر سے کہتا ہے ؎

بر مزارِ ماغریباں نے چراغے نے گلے
نے پر پروانہ سوزد نے صدائے بلبلے

دلی بھر میں کسی کو آپ کے دامن تلے سونے کا خیال تک نہیں کہ اس آفتابِ علم و حکمت کے سایہ کے ساتھ قیامت کو اٹھوں۔ لیکن اس کے مقابلہ پر شاہ نظام الدین اولیاءؒ کو دیکھئے۔ دلی سے چھ سات میل کے فاصلہ پر آپؒ کا مزار پرُ

Marfat.com

انوار ہے۔ آنے جانے والوں کا تانتا بندھا ہے۔ مجاورین کی بھیڑ بھاڑ کہ الٰہی توبہ۔ کسی کا دامن کھینچتے ہیں، کسی کو گھسیٹتے ہیں لیکن خلق اللہ ہے کہ ایک روضے کے اندر داخل ہوتی اور دوسری نکلتی ہے۔ نظر اُٹھا کر گرداگرد دیکھئے تو ایک دنیا ان کا سہارا لیے بیٹھی ہے۔ اعیان مملکت اور وزیرانِ سلطنت پر بھی قدم پڑتے ہیں اور وہ بھی بیکسی کی صورت میں کچھ کہتے ہیں تو اپنی بیکسی ظاہر کرنے کے لیے ؎

بغیر سبزہ نپوشد کسے مزارِ مرا
کہ سبز پوش غریباں ہمیں گیاہ بس است

دلی کا کوئی ایک بھی باشندہ ہو گا، جس کے دل میں یہ تڑپ نہ ہو گی کہ میری قبر کو نظام الدینؒ میں جگہ ملے یا باقی باللہؒ میں۔ سیاہ سے سیاہ دِل بھی جس نے کبھی اپنے مولا حقیقی کے سامنے سر خم نہیں کیا۔ جب روضہ کے سامنے جاتا ہے اور قبر سے آنکھ لڑتی ہے تو طبیعت بھر آتی ہے، آنسو پھوٹ آتے ہیں، ہچکیاں شروع ہو جاتی ہیں اور تمام سیاہ نامۂ اعمال سامنے آجاتا ہے۔ آخر اس کی وجہ کیا؟ کیا شاہ صاحب فنا وبقا سے نہیں گزرے یا وہ ولایت حقہ کے مالک نہ تھے، یا ان کی ذات ستودہ میں کچھ کمی تھی یا علم و عمل میں کچھ کسی سے کم تھے یا خود وہ ایسا چاہتے تھے؟

بہر صورت سوچ اور غور کا مقام ہے اور سرسری گذرنے کے قابل نہیں۔ جیسے پہلے لکھا گیا، علم سے معلوم کی طرف جانا، یا معلوم سے علم کی طرف آنا یعنی خلق سے خالق کی طرف جانا، اور خالق سے خلقت کی طرف آنے میں بہت بھاری فرق ہے اور اتنا ہی جتنا زمین و آسمان میں بلکہ اس سے بھی بلند۔ اسی طرح ذات کی فنا اور صفات کی فنا میں بھی ایک زمین و آسمان کا بلکہ عرش کا فرق ہے۔ علیٰ ہذا القیاس بقائے ذات اور بقائے صفات کا فرق اسی درجہ پر ہے۔ ایک کی فنا وبقا ذاتی ہے، اور دوسرے کی صفاتی ہے، تو پھر کیونکر اثرات و نتائج میں فرق پیدا نہ ہو۔

Marfat.com

صفات داخل ذات ہوں یا خارجِ ذات۔ جہاں وہ باعث ظہور ذات ہیں وہاں وہ حجابِ ذات بھی تو ہیں۔ حُسن، جہاں ظہور ذات کا باعث ہے وہاں حجاب ذات بھی تو ہے۔ جیسے قبح، ذات کی خوبیوں کا حجاب ہے ویسے حسن، ذات کے قبائح کا حجاب ہے۔ لباس جہاں خوبصورتی بڑھاتا ہے اور حسن کو ظاہر کرتا ہے وہاں خوب صورتی اور حسن کا پردہ پوش بھی تو ہے۔ جسم روح کیلئے جہاں باعث ظہور صفات ہے وہاں باعث حجاب روح بھی تو ہے۔ سالک کی صحیح سیر اسی وقت فی اللہ ہو گی جب ذات کے اندر سیر ہو۔ اور صفات کی طرف اس کی توجہ نہ جائے۔ مازاغ البصر وماطغی کی حقیقت پر آنکھ ادھر ادھر نہ بھٹکے، عمر بھر اسی میں رہے۔

لیکن اگر اس کی سیر کا رُخ ذات سے ہٹ کر صفات کی طرف پھر گیا تو جہاں وہ منشاء ذات کے احکام کے مطابق کتنا ہی کیوں نہ ڈھلتا جائے گا لیکن صفت میں انہماک سے ذات سے دُوری ہوتی جائے گی۔ مثلاً صفت علم ہے کہ سالک کو رُشد کے اندر انہماک ہے اور اس کے اندر استہلاک سے اُسے روکے گی۔ سالک کی ذات پر صفت علم کا حجاب آجائے گا جو ذات کے مشاہدہ سے اسے روکے گا، اور جمال حقیقی کا مانع ہو گا۔ اس صورت میں فناوبقاذاتی نہ رہے گی، بلکہ فناوبقا صفاتی سے تبدیل ہو جائے گی اور اس کے اثرات و نتائج وہی پیدا ہوں گے جو صفات کو مقابلۂ ذات کے درجہ پر ہوا کرتے ہیں۔

مظہر ذات مظہر صفات ہوتا ہے لیکن مظہر صفات مظہر ذات نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ صفاتِ متقابلہ یا متخالفہ کے اندر بیک وقت استہلاک (فنا) وانہماک ناممکن ہے مثلاً صفاتِ جلالیہ و جمالیہ کا اکٹھا ہونا اور ان دونوں کے کمال کا حاصل ہونا ناممکن اور محال ہے۔ کیونکہ ایک کی تعمیر دوسرے کی تخریب ہے۔ بخلاف مظہر ذات کے کہ وہ اپنے اندر ذات کے انعکاس سے سب کچھ مہیا کیے ہوتا ہے جو ذات جل و علیٰ کی ذات مجمع الصفات کے اندر ہے۔ اسے جلال کے ساتھ بھی وہی

Marfat.com

محبت ہے جو جمال کے ساتھ ہے اور محبت سے بھی ایسے خوف کھاتا ہے جیسے قہر سے۔یا قہر کو بھی وہ ویسے لطف جانتا ہے جیسے مہر کو۔ غرض دونوں سے یکساں بہرہ اندوز ہوتا ہے۔

رہا یہ سوال کہ مظہر ذات سے سراسر رُشد، سراسر ہدایت کیوں کر پیدا ہو، جب کہ اس کی مظہریت کے اندر ضلالت کو بھی وہی نسبت ہے جو رشد کو۔ خصوصاً اس کے مقابلہ میں جو سراسر رشد وارشاد کی صفت میں کامل انہماک اور استہلاک رکھتا ہو اور رات دِن اس کے اندر کوشاں ہو۔ لیکن غور کیا جائے کہ خود ظہور ذات رشد وارشاد، خیر واصلاح کے سوا کیا ہے۔ اس کی صفت مضل کا ظہور بھی تو سراسر رشد وارشاد ہے لیکن اسے وہی دیکھتا ہے جس کو اس کی راہ میں راہ ہو ورنہ دوسرے کسی بےخبر کو کیا خبر ؎

علم را بر تن زنی مارے بود
علم را بر جاں زنی یارے بود

شاہ ولی اللہؒ اور سلطان المشائخ کے رشد وارشاد کا فرق

آیئے اور غور کیجئے کہ سلطانؒ المشائخ اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے رشد و ارشاد میں کس کا پلہ بھاری ہے؟ سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر آج تک ان کے سلسلہ پر ایک طرف نظر دوڑایئے۔ دوسری طرف شاہ صاحبؒ سے لے کر تا ایں دم ان کی تمام کڑیوں کو پورے فکر سے دیکھئے کس سلسلہ میں رشد ارشادِ حقیقی کا پلہ وزنی ہے؟ شاہ صاحبؒ نے سینکڑوں کتابیں صراطِ مستقیم کے واضح کرنے اور اس سے وہ کدورتیں دُور کرنے کے لیے لکھ دیں جو اس راہِ اسلام میں آکر مخل راہ ہوئی تھیں اور آپؒ کے متبعینِ سلسلہ بھی آپؒ کے قدم بقدم چل کر صراطِ مستقیم یا دینِ حق کو واضح اور صاف کرتے رہے۔ اس سلسلہ کی تمام خدمات

Marfat.com

ان لوگوں کے لیے نہایت مفید ہیں جو اسلام سے روشناس ہو کر اس پر کمر بستہ تھے اور صرف واضح راہ کے متلاشی تھے۔ لیکن یہ کوشش ان لوگوں کے لیے بالکلیہ بے سُود ہے، جو اپنی گردن کو اسلام کے سامنے ابھی تک صحیح معنوں میں خم نہ کر سکے، گو وہ ظاہراً مسلمان ہی کیوں نہ ہوں۔ بخلاف سلسلۂ سلطان المشائخ کے کہ انہوں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا کہ آئندہ نسلیں اس کو دیکھ کر اپنا مسلک صاف کریں، یا بنائیں۔ لیکن اس سلسلہ کے اندر وہ جاذبیت ضرور آج تک ہے کہ جو بھی سامنے آیا سر بسجود اسلام ہوا، اس کی گردن خود بخود اسلام اور صاحب اسلام کے لیے جھک گئی اور اس نے اپنی گردن میں وہ قلادہ وسیع ڈالا کہ مرنے سے پہلے کسی صورت جدا کیا ہوتا، قبر کی تنگ و تاریک کوٹھی میں بھی اس کے ساتھ گیا۔ جس درجہ کے آدمی اس سلسلہ نے پیدا کیے، اُس سلسلۂ عالیہ شاہ ولی اللہؒ کے اندر پیدا نہیں ہو سکے۔ اگر سلسلہ کے ایک ایک نفس پر نظر دوڑائیے۔ لاکھوں نہیں کروڑوں تک سچے مسلمان بنائے جو قبروں میں سوئے ہوئے آپ کو نظر آئیں گے۔ یہ میں ہی نہیں کہہ رہا بلکہ ساری دُنیا یہی کہتی ہوئی گزری۔ آخر اس کی وجہ کیا یہی نہیں کہ یہ مظہر ذات ہیں اور وہ مظہر صفات۔

انبیاء علیہم السلام کو جب کبھی نبوت یا رسالت کے درجہ پر سرفراز فرمانے کا ارادہ ازلی ہوتا ہے تو پہلے خالق اللیل والنہار ان کے دلوں پر توحید کے دروازے کھولتا ہے اور توحید کے معارف واسرار کے خزانے ان کے حوالے ہوتے ہیں۔ اس وقت صاحبِ توحید پر عبودیت مطلقہ کا حال وارد ہوتا ہے۔ اس حال کے آنے سے تمام قلوبِ انسانی قلبِ نبوت کی طرف کھنچتے چلے جاتے ہیں، جیسے پیاسا پانی کی طرف لپکتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ قلب نبوت سے سیراب ہو کر ابدی زندگی حاصل کرتے ہیں۔ بعینہٖ یہی حال اولیائے عظام کا ہے کہ جب فنائے مطلق میں پہنچ کر عبودیتِ مطلقہ حاصل کر لیتے ہیں تو پھر پتھر سے پتھر دل ہی کیوں نہ سامنے

Marfat.com

آئے، موم ہوتا جاتا ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ جن کے بارے میں حکم ہوتا ہے خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَعَلٰی سَمْعِھِمْ وَعَلٰی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ۔

الغرض، توحید کامل اور عبودیتِ مطلقہ سب سے پہلے غفلت کا پردہ دلِ سے اُٹھاتی ہے اور دل کو جیتا کرتی ہے۔ اس کے بعد اس کی بینائی کے لیے صراطِ مستقیم یا قانونِ فطرت یا بالفاظ دیگر دینِ حق ان بینا قلوب کے لیے پیش کرتی ہے تاکہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر راہِ نجات پر قدم زن ہوں اور ابدی فلاح پائیں۔

اُولوالعزم انبیاء علیہم السلام اور رسل دونوں صفات سے متصف ہوتے ہیں۔ اور ایک طرف وہ دل کی آنکھ سے پردہ چاک کرتے ہیں، اور دوسری طرف دین حق کا صراطِ مستقیم پیش کرتے ہیں۔ لیکن اولوالعزم کے سوا باقی انبیاء علیہم السلام صرف پہلے درجہ پر فائز ہوتے ہیں کہ آنکھوں کو بینا کرتے ہیں، لیکن صراطِ مستقیم یا قانونِ فطرت کے اندر کوئی تبدیلی نہیں کر سکتے۔ بلکہ وہ اپنے سے پہلے دین کے داعی ہوتے ہیں اور ان کے لیے افراد امت پیدا کرتے ہیں۔

مظہر ذات و مظہر صفات

ائمۂ مجتہدین اور مجددین کی کوششیں زیادہ تر اسی دوسرے حصہ یعنی صراطِ مستقیم کی وضاحت یا قانونِ فطرت کی جزئیات کی نشاندہی میں ہوتی ہیں۔ یا ان بدعات کے قلع قمع میں ہوتی ہیں جو اس راہ میں پیدا ہو کر خلل انداز براہ سالکین ہدایت ہوتی ہیں۔ اس کے سوا اس کے اندر وہ مادہ اور استعداد بہت کم ہوتی ہے، جو اصل رشد و ارشاد کی جڑ ہے۔ یعنی دل کی بینائی پیدا کرنا اور سیاہ اور قسی دِل کو روشن کرنا یا کافر و بے دین کو مسلمان یا دین دار بنانا۔ یہ چیز بدرجۂ اتم ان لوگوں میں ظاہر ہوتی ہے، جو توحید میں کامل اور عبودیت میں راسخ ہو کر مظہر ذات کی جلوہ گری میں ظہور پذیر ہوں۔ یہ بیک وقت دلوں کو بینا کرتے ہیں اور دلوں کو

Marfat.com

جمالی طریقہ اور صراطِ مستقیم دکھاتے ہیں۔ بلکہ صراطِ مستقیم پر ان کو گامزن کر کے انتہائے سعادت یعنی عرفان کی منزل تک پہنچاتے ہیں۔ بخلاف اول کے کہ وہ صراطِ مستقیم کی وضاحت کے سوا کچھ زیادہ اپنے میں ہمت نہیں پاتے کہ امت کو اس پر چلنے کی دعوتِ عامہ دے کر ان کے ہمراہ ہو کر صراطِ مستقیم کی آخری سرحد پر پہنچا دیں۔ ان کے ذہن میں اسلام کا آخری منتہا یہ ہے کہ انسان کے اعمالِ صالحہ اپنی تکمیل کو پہنچیں، اور ان سے وہ فوائد و برکات اٹھیں، جو اس دنیا کی تکمیل کرتے ہوئے آخرت کے اندر بھی بار آور ہوں۔ بخلاف طبقہ اوّل کہ اس کا منتہائے مقصود اعمال نہیں، بلکہ اعمال سے بلند ہو کر اس دنیا اور اس عالم سے باہر مقصودِ آخری صرف عرفانِ ذات ہے اور بس۔ اس سے پہلے کا تمام سلسلہ ان کے لیے ایسا ہے جیسے درخت کے لیے شاخ و برگ، لیکن درخت کا حقیقی فائدہ صرف ثمرہ اور پھل ہے اور بس۔

ایسی صورت میں فیصلہ کرنا کیا مشکل ہے کہ مظہر ذات کون لوگ ہیں اور مظہر صفات کون بزرگ، کس کو اصل ذات کے ساتھ محبت ہے اور کس کو صفات کے ساتھ، کون سے لوگ ہیں جو عبودیت ذاتی سے سرفراز ہیں اور کون سے اصحاب ہیں جو عبودیت صفاتی سے متصف، کن بزرگواروں کو توحید ذاتی نصیب ہوئی اور کن کو توحیدِ صفاتی۔ غرض تھوڑی سی فکر سے تمام معاملہ صاف ہو جاتا ہے اور اس اُلجھاؤ کے دُور ہونے کے بعد کوئی مشکل نہیں رہتی کہ کون سے بزرگوں کی فناوبقاذاتی ہے اور کون سے اصحاب کی صفاتی۔

صاحب نبوت اور رسالت کے اندر توحید ذاتی اور صفاتی، عبودیت ذاتی اور صفاتی اور محبت ذاتی و صفاتی مساوی درجہ کی ہوا کرتی ہے۔ صفات کے بغیر وہ ذات وحدہٗ لاشریک کو ویسے ہی جانتا ہے جیسے صفات کے ساتھ متصف ہونے کے بعد۔ ایسے ہی عبودیت ذاتیہ توحید ذاتی کے مقابلہ پر جب ظہور پکڑتی ہے تو

Marfat.com

اس جل و علا کی کبریائی کے سامنے اپنی عبودیت کے سوا چارہ نہیں دیکھتی تو توحید صفاتی کے مقابلہ پر عبودیت صفاتی سے متصف ہو کر مقامِ محمود کی متمنی ہوتی ہے۔ ذات سے فطرتاً محبت ذاتی بھی ہے۔ جیسے ماں کو بیٹے سے یا بیٹے کو ماں سے، اور صفاتی بھی ہے کہ رازق و خالق ہے اور رحمٰن الرحیم ہے اور رب العالمین ہے اور مساویانہ اعتدال اُمت میں کسی کو بہت کم نصیب ہوتا ہے۔ مجدد الف ثانیؒ اسی اعتدال (المشابہ بالنبوۃ) ہونے کی وجہ سے مجدد کہلائے۔ دوسری طرف صراطِ مستقیم کی شاہراہ کو بدعت سے پاک کر کے دین کی تجدید فرماتے گئے۔ آپؒ صرف ایسے مجدد نہیں ہوئے کہ تجدید دین اور احیائے دین کے اسباب تو بہم پہنچائے ہوں لیکن عام خلق اللہ کو اس کی دعوت نہ دی ہو۔ جیسے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ قبلہ کہ وہ تمام کچھ مہیا کرایا جس کی دین کو ضرورت تھی اور جس سے شاہراہ صراطِ مستقیم واضح اور بے خطر ہو چکا تھا۔ لیکن وہ ایک عام دعوت نہ دے سکے جس کیلئے وہ سب کچھ مہیا کیا گیا تھا۔ خواہ فرصت نہ ملی، خواہ اس کی استعداد ہی ودیعت نہ فرمائی گئی۔ اسی وجہ سے بعض اکابر نے کھلا اقرار کیا ہے کہ شاہ صاحبؒ نے مبدد دین کا خاکہ پیش کیا۔ اور سید صاحب شہیدؒ اور اسمٰعیل شہیدؒ ان کے مجددیت کے مُتَمِّم ہوئے۔ گویا مجددیت کے کام کو تین ہستیوں نے سرانجام دیا۔ تاہم وہ ابھی تک ویسے بار آور نہ ہوئی جیسے چاہئے تھی۔ بخلاف مجدد الف ثانی کے کہ تھوڑا بہت جو کچھ ان کی نگاہوں میں تھا یا جس کے لیے وہ منتخب ہوئے تھے، وہ اپنی زندگی میں ختم کر کے تشریف لے گئے۔ ایسی صورت میں فیصلہ کرنا گو مشکل ہے۔ تاہم غور کیا جائے تو ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کس کا درجہ رشد و ارشاد کے اندر بلند ہے۔

ذات کے حصول سے پیشتر صفات واصل ذات ہونے کا باعث ہوا کرتی ہیں لیکن حصولِ ذات کے بعد صفات کی طرف توجہ ذات سے دُوری کا باعث اور

Marfat.com

حجاب ہوتی ہیں۔ اور جتنا شغل صفات کے اندر زیادہ ہوتا جائے گا، ذات کا تعلق حجاب میں آتا جائے گا۔ خصوصاً ایسی صفات جن کا تعلق وجدان اور ادراک کے ساتھ وابستہ ہے۔ کیونکہ ذاتِ بابرکات جل وعلا کا قرب ذاتی تمام کائنات کے ساتھ یکساں ہے، کائنات کے ذرّہ ذرّہ کے ساتھ وہی ہے جو ایک پاک دِل کے ساتھ ہے۔ البتہ وجدانی اور ادراکی تقرب جو حضرتِ انسان کا خاصہ ہے اور اسی پر تمام تقرب کے آثارِ عالیہ مرتب ہوتے ہیں، اور یہی تقرب وجدانی انبیاء علیہم السلام کے مدارج عالیہ اور اولیائے عظام کے مناصب جلیلہ کا باعث ہوا کرتا ہے۔ ایسی صورت میں جب کوئی سالک یا عارف کسی وجدانی یا ادراکی صفت کے اندر شاغل ہوتا ہے تو اس ادراک حقیقی سے کیونکر نہ تسلیم کیا جائے کہ اس کے ادراک کا رُخ تبدیل نہیں ہوا اور وہ ذات سے صفات کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔

سلطان المشائخ اور شاہ ولی اللہؒ کے ادراک کا فرق

آیئے ایک طرف سلطان المشائخ کے مشاغل واذکار اور دوسری طرف حضرت شاہ صاحبؒ کے اشغال و افہام کا مقابلہ کر کے دیکھئے کہ کس کا ادراک صرف ذات کی طرف ہے، اور کس کا ادراک صفات کی طرف متوجہ ہے۔ شاہ صاحبؒ ایک اچھے خاصے امیر ہونے کے علاوہ صاحب درس و تدریس بھی اور اہلِ تالیف و تصنیف بھی تھے۔ تدریس بھی یہ نہیں کہ صرف ایک خاص مضمون کی، حدیث و تفسیر کے علاوہ ہر علم میں وہ ید طولیٰ رکھتے تھے اور ہر آنے جانے والا آپؒ کے فیض علمی سے سیراب، کیا منطق کیا فلسفہ، کیا حدیث و تفسیر، ہر قسم کے طلاب زانوئے تلمذ تہہ کیے بیٹھے نظر آتے تھے۔ لیکن اس پر ہی اکتفا نہیں تھی۔ جب دارالتالیف میں قدم رکھتے، تو گاہ تصوف گاہ تفسیر قرآن حکیم میں وہ بے مثال علوم و معارف کے انبار لکھتے کہ عقل دنگ رہ جاتی۔ لیکن طبیعت نے ذرا

Marfat.com

فرصت پائی تو دار الحکمت میں جا کر اقتصادیات اور معاشیات کا فلسفہ سامنے آگیا اور بے اختیار اس پر لپک گئے اور انسانی زندگی کے ہر مسئلہ کو اپنی بلند فطرت استعداد سے اسلامی طریقہ پر ایسے حل فرمایا کہ کسی کو آج تک اس پر حرف گیری کا موقع نہ ملا۔ غرض اسلام اور اسلامیات کا کوئی ایک پہلو ایسا بھی نہیں جس پر آپؒ نے کچھ نہ کچھ نہ لکھا ہو۔ بدعات کا خیال آیا، ازالۃ الخفا اور البلاغ المبین لکھنے بیٹھ گئے۔ اور تصوف کا رنگ غالب ہوا، الانتباہ فی سلاسل الاولیاء لکھ دی۔ غرض ایک دل اور سینکڑوں فکر۔ مانا یہ سب کس کے لیے؟ صرف اسی کے لیے۔ جس کے لیے سلطان المشائخ کی نظر کی کیا مجال کہ نقطۃ التوحید سے عمر بھر ادھر ادھر پھری ہو۔ وہ صرف اس ذات وحدہٗ لاشریک کی طرف ہی دیکھتے رہے۔ اور اس کے کارخانہ قدرت پر ہی نظر تھی اور بس۔ اس کے اندر چون و چرا کی گنجائش نہ دیکھی۔ عبادت و پرستش ذاتِ واجب الوجود کے سوا کچھ نظر نہ آیا اور جو کچھ کیا وہ بھی اسی غرض و غایت کے لیے کہ ہر قدم حیرت کے اندر اور بڑھے اور اپنی ہستی موہوم فنا ہو کہ یہی اس کی بقا کے لیے دلیل ہے۔ نہ اقتصادیات و معاشیات اسلامی ان کی توجہ اپنی طرف کھینچتے، اور نہ تصوف کے باریک تراز مو معارف کے لکھنے کی اپنے اندر کوئی خواہش پاتے ہیں، نہ تفسیر و حدیث کے درس و تدریس کا اشتیاق انہیں اپنی طرف پھیرتا ہے۔ اگر ہے تو دیدارِ یار اور بس۔ اگر حاضری ہے تو اسی کی اور انتظار ہے تو اسی کا۔

ایسی صورت میں ان دونوں بزرگوں کو کیونکر ایک صورت میں دیکھا جائے اور کیونکر ایک درجہ میں رکھا جائے اور کیسے ان کے اندر جو قدرت نے فطرتی استعداد رکھی ہے، اس کی تمیز نہ کی جائے اور کیونکر ان کے کارناموں کو ایک کر دیا جائے۔ پھر جب کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے تو کیونکر ان کے ثمرے دیکھتے ہوئے ان کو ایک جگہ کھڑا کیا جائے اور کیونکر ایک کو فنائے ذاتی

Marfat.com

اور دوسرے کو فنائے صفاتی سے متمیز نہ کیا جائے۔ ایک پر قلبی کیفیت طاری اور دوسرے پر عقلی فکر غالب۔ ایک قلبی راہ دکھاتا ہے اور مرشد کہلاتا ہے، اور دوسرا علمی راہ چلا کر استاذ کے بلند منصب سے سرفراز۔

غرض یہ اور ہے وہ اور۔ اعمال و حالات ہی الگ نہیں بلکہ دونوں کے دل الگ الگ، فطرت الگ الگ، صورت و سیرت کا نقشہ الگ الگ۔ سب سے بڑھ کر دونوں کے ثمرات الگ الگ اور پرورش یافتہ الگ الگ۔ ایسی صورت میں مرنے کے بعد ان کے مزارات اور ان کے انوار و برکات الگ الگ ہوں تو تعجب کیسے۔ بلکہ الدنیا مزرعة الآخرة کے مطابق وہی کچھ ہیں، جو کچھ وہ اپنی پاک زندگی میں تھے اور ہمیشہ رہیں گے جب تک دنیا قائم۔ کیا محمد رسول اللہ ﷺ وہی کچھ اب بھی اپنی قبر مبارک میں نہیں جو اپنی پاک زندگی میں تھے۔ بس تو وہی شان جلالی و جمالی نظر آ رہی ہے۔ خود ارشاد فرماتے ہیں۔ مَنْ زَارَ قَبْرِی فَکَاَنَّمَا زَارَنِی فِی حَیَاتِی (جس نے میری قبر کی زیارت کی اُس نے گویا مجھے حیاتی میں دیکھا)۔ کیا کسی کو اس سے انکار ہے؟ اگر نہیں تو کیونکر پھر وہی کچھ نہ دیکھیں جو کچھ وہ اپنی حیاتی میں تھے۔ آپؐ کے قدموں پر ویسے ہی خلقت نثار ہو رہی ہے جیسے آپؐ کی زندگی میں ہوا کرتی تھی اور وہی روضۂ مقدسہ کے دیکھنے سے وارفتگی پیدا ہوتی ہے جو آنحضرتؐ کے جمال پر انوار کی زیارت سے اصحاب پر وارد ہوتی تھی۔ جامیؒ کہتے ہیں ؎

زمہجوری برآمد جانِ عالم
ترحم یا نبیؐ اللہ ترحم
نہ آخر رحمة للعالمینی
ز مہجوراں چرا فارغ نشینی

لیکن یہاں یہ ایک نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے جس کی طرف بہت کم کسی کا

Marfat.com

ذہن منتقل ہو گا، کہ صفات کا شغل صفات کو بھی فنا کرتا ہے، اور خود ذات پر کوئی فنائیت کا اثر نہیں ہوتا۔ ذات کی طرف توجہ کرنا ذات کو فنا کے درجہ پر پہنچاتا ہے اور جس درجہ کی توجہ ذات کے اندر ہو گی اُسی درجہ کی فنائیت حاصل ہو گی۔ کمی بیشی کا انحصار توجہ پر ہے اور بس۔ مثلاً صفتِ علم کے اندر شغل پیدا کرنا صفتِ جہل کی فنائیت کا باعث ہو گا اور جتنا علم کے اندر انہماک زیادہ ہو گا، جہالت کم ہوتی جائے گی ۔ علیٰ ہذا القیاس! تمام صفات متعاکسہ کا یہی حال ہو گا۔ لیکن خود ذات پر فنائے ذاتی کامل طور پر کسی صورت میں وارد نہ ہو گی۔ گو کہ ذات پر صفت کے اشغال سے اثر ہو گا، لیکن وہ بھی اس معیت کی اصل ماہیت کے مطابق ہو گا جو اس صفت کے اندر ذاتی اور فطرتی ہے ۔ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لاَ يَعْلَمُوْنَ (پڑھے لکھے اور ان پڑھ برابر ہو سکتے ہیں؟) علم کا جذبہ انانیت بڑھاتا ہے۔ اسی طرح لاعلمی کا احساس انانیت کو کم کرتا ہے۔ اور تکبر کو زائل کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے، قارون نے کہا۔ اِنَّمَا اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِى (میں اپنے علم کی وجہ سے سب کچھ دیا گیا ہوں) اور کئی جگہ یہی ارشاد ہوتا ہے کہ علم کے بعد سرکشی کی وجہ سے اختلاف کیا۔ (فَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُو الْكِتَابَ اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَ هُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا) (پس اختلاف نہ کیا ان لوگوں نے جن کو کتاب دی گئی مگر اس وقت جبکہ ان کو علم حاصل تھا بغاوت کے لیے ایسا کیا)۔ رَبِّ زِدْنِىْ عِلْمًا (اے رب میرا علم بڑھا) کی دُعا یا علم کی فضیلت میرے اس نظریہ کے برخلاف نہیں۔ علم ایک بڑی دولت ہے جیسے دولت سے تکبر پیدا ہونا فطرتی ہے، ایسا ہی علم سے بھی۔ کیونکہ وہ مادی سرمایہ ہے اور یہ عقلی سرمایہ۔ جیسے گاہ بگاہ دولت سے اچھے اچھے کام ہوتے ہیں اور صاحب دولت کی طبیعت پر بھی نیک اثر ہو تو یہ دولت کا فطرتی اثر نہیں، بلکہ کسی دُوسری صفت کا اثر ہوتا ہے، جس کی طرف ذہن نہیں جاتا۔ مثلاً خود ذات دولت سے پہلے فنا کے درجہ پر پہنچ گئی، یا دولت سے پہلے کا عجز

Marfat.com

سامنے آکر شکر گزاری کا باعث ہو گیا۔ دوسرے یہ علم جو آنحضورؐ نے طلب کرنے کا ارشاد فرمایا ہے یہ وہ علم نہیں، جس کو حصول سے واسطہ ہو اور جس کے حاصل کرنے سے انسان اتراتا ہے اور اپنے اندر فکر محسوس کرتا ہے۔ تاہم کوئی حصول بھی ہو اس احساس سے پاک نہیں کہ کچھ اندر آگیا۔ اور احساس، فنائیت کے بر خلاف انانیت سے تعمیر ہوتا ہے۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام ایسے حصول کو انعام و افضالِ الٰہی جانتے ہیں اور اپنے آپ کو محض ایک کٹھ پتلی قدرتِ الٰہیہ کی متصور فرماتے ہیں۔ ایسی صورت میں ان کے اندر صفت علم کا فطرتی جذبہ انانیت پیدا نہ ہو تو تعجب نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام نے صاحبِ ارشاد ہونے سے پہلے فناو بقا سے سالک کو گذارنا ضروری خیال فرمایا ہے۔ اور اسی پر تمام ارشاد کا دارومدار رکھا ہے، تاکہ اس کے اندر صفات خارجہ کا کوئی اثر نہ ہو۔

جس طرح صفات کا اثر ذات پر ہوتا ہے یعنی بعض صفات مد فنا ہوتی ہیں اور بعض انانیت بڑھاتی ہیں۔ اسی طرح ذات کی طرف متوجہ ہونے سے فنائے ذاتی حاصل ہونے کے بعد خود بخود ایک فنائے ذات کا اثر صفات پر وارد ہوتا ہے، اور صفات کسی قدر ضرور تبدیل ہو جاتی ہیں۔ لیکن یہ صفات کلیۃً فنا نہیں ہو سکتیں، جب تک کہ ذات کو صفات کے ساتھ فنا نہ کیا جائے۔ اسی وجہ سے کامل توحید وہی ہے جو ذات و صفات پر شامل ہو اور ذات و صفات کو الگ الگ نہ رکھے اور ان کے فناو بقا کا کوئی الگ الگ تجزیہ نہ کیا جائے بلکہ اکٹھا مد نظر رکھ کر انہیں اُٹھایا اور گرایا جائے۔

یہ توحید صرف اسلام اور صاحبِ اسلام نے نمونہ بن کر پیش کی۔ تمام ادیانِ دیگر میں یہ مساوات نہیں۔ کوئی صرف ذات کی طرف متوجہ ہے تو کوئی صفات کو اپنا مطمح نظر رکھ کر ذات سے ایک زائد تعلق کے سوا کچھ خیال نہیں کرتا، جیسے عام اہل دُنیا، اور اہل علم کہ وہ اصل اعمال کو ہی تصور کرتے ہیں، ذات

Marfat.com

کو ایک واسطۂ حصول گردانتے ہیں۔ بخلاف طبقۂ صوفیہ کے، کہ وہ ذات کو اصل مدعا خیال کرتے ہیں۔ اور اعمال صرف حصولِ مشاہدۂ کے لیے خیال کرتے ہوئے انہیں ایک ذریعۂ جمال الٰہی جانتے ہیں۔ لیکن غور کیا جائے تو یہ دونوں نظریئے صحیح نہیں۔ بلکہ یہ دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو ہی نہیں سکتے۔ نہ اعمال کو قابلِ درگذر کیا جا سکتا ہے، کیونکہ دنیا کا قیام اعمال پر ہے اور نہ ذات کو، کیونکہ ذات کے تصور کے سوا صحیح اعمال اور صفات پیدا ہی نہیں ہو سکتیں۔ اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ اعمال و صفات ہی انسانی مطمح نظر ہونے چاہئیں تو پھر اس کارخانۂ قدرت کی پیدائش کا فلسفہ آنکھوں کے سامنے کوئی نہیں آتا، کہ آخر یہ سب کچھ کیوں ہے اور اس کی علتِ غائی کیا ہے؟

قرآنِ پاک دونوں نظریوں کا جامع ہے۔ جیسے وہ ذاتِ بابرکات کا بے مثل بے مثال تصور پیدا کرتا ہے، اور اس کی طرف دعوت دیتا ہے اور جذب کرتا ہے، ویسے صفات اور اعمال کی طرف متوجہ ہے اور ایک ایک عمل اور ایک ایک صفت کے لیے اور ان کے پیدا کرنے اور حاصل کرنے پر اپنی پوری طاقت اور پورے زورِ کلام سے انسانی قویٰ کو دعوت دیتا ہے اور تحصیل اعمال کا فلسفۂ بلند پیش کرتا ہے اور صاحب اسلام کو نمونہ پیش کر کے فرماتا ہے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (تمہارے واسطے رسول اللہ ﷺ ایک عمدہ نمونہ ہیں)۔

الحمد شریف کو ہی مطالعہ کیا جاوے۔ پہلے ذات کا تخیل اور تصور پیش فرمایا گیا اور اس کے صفات کا بے پایاں سمندر کوزہ میں بند کر کے انسانی تخیل کے اندر بٹھانے کے لیے جامع الفاظ سے جذب قلوب فرمایا گیا۔ اس کے بعد اعمال کا مقدس نظریہ ایسی صورت میں پیش کیا گیا کہ اعمال کی تمثیلی صورت سامنے آجاتی ہے اور اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمُ سے اعمال کی قیمتِ بلند کا پتہ دیا جاتا ہے۔ لیکن ایک دوسری جگہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ (ہم

Marfat.com

نے جن وانسان کو اپنی عبادت اور پوجا کے کے پیدا کیا ہے) کے مقدس الفاظ فرما کر کائنات کی سب سے بلند اور اشرف ذات کی غرض و غایت ذات اور صرف ذات فرمائی گئی "اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" دو چھوٹے جملے تمام قرآنِ حکیم میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ جس سے صاف پایا جاتا ہے کہ ذات و صفات کا جامع مذہب اسلام سے بڑھ کر کوئی بھی نہیں۔ اس کے اندر دنیا و عقبےٰ کو یکساں، ہر موقع ہر لحظہ ہر حال میں پیش کیا گیا اور دونوں کے لیے یکساں قدم اٹھانے کی دعوت فرمائی گئی۔ ایک کا قدم دوسرے کا قدم ہے۔ ایک کی رکاوٹ دوسرے کی رکاوٹ ہے۔ اور صاحبؐ اسلام کی سیرت کے مطالعہ کرنے والوں سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ آپ کے ہر حال کے اندر یہ دونوں جذبے یکساں برابر جاری و ساری رہے۔ جنگ جیسے مشکل اور آڑے وقت پر بھی ذات حق کی طرف توجہ تھی اور نماز جیسی پاک پرستش کے اندر بھی بچے کے رونے کا خیال تھا۔ یہ اعتدال ذات و صفات یا اعمال کسی دوسرے رسول یا نبی کو کم میسر ہوا۔ البتہ حضرت ابراہیم صلوٰت اللہ علیہ متقدمین انبیاء میں ایسے ہی تھے۔ اسی وجہ سے ملتِ ابراہیمی کی دعوت قرآن پاک میں دی گئی۔ فرماتے ہیں۔ مِلَّةَ اَبِیْکُمْ اِبْرَاهِیْمَ (یہ طریقہ تمہارے باپ ابراہیمؑ کا ہے)۔

حضرت موسیٰ مظہر صفات حضرت عیسیٰ مظہر ذات تھے

حضرت موسیٰ پر صفاتی جذبہ غالب تھا۔ انہیں صفاتی معجزے دیئے گئے اور فرعون جیسے بادشاہوں سے ٹکر لینے کے لیے انہیں تیار فرمادیا گیا اور زمین کی بادشاہت اور لشکر کی سپہ سالاری کے لیے منتخب ہو کر بنی اسرائیل کے لیے زمین کی بادشاہت کے طالب رہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ذات کے غلبہ نے روح القدس کے صفات اپنے اندر پیدا کر لیے۔ اور قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہ کہہ کر

Marfat.com

مردے کو زندہ کر دیا جو خاصہ ذات تھا اور زمین کی بادشاہت کا ذکر ہی اپنا مطمح فکر رہا ۔اور دُنیاوی تعلقات سے بالکلیہ بے توجہی رہی۔ نہ فوج ہے نہ لشکر ہے۔ چند شاگرد ہیں اور آپ ہیں۔ کوئی سُولی چڑھاتا بھی ہے تو فرمایا جاتا ہے بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ (بلکہ اللہ نے انہیں اپنی طرف اٹھالیا)۔ لیکن ذات و صفات کی کشمکش کا موازنہ کیجئے۔ موسیٰ علیہ السلام باوجود زمینی غلبہ کے لوگوں کو اتنے یہودی نہ بنا سکے جتنے حضرت عیسیٰ ایک درویشی حالت میں بنا گئے۔ اور اُن [۱۵] کے اُٹھ جانے کے بعد اور ان [۱۶] کی وفات کے بعد دیکھئے یہود برابر گرتے گئے اور عیسائی برابر بڑھتے گئے۔ یہاں تک کہ آج دنیا میں تمام مذاہب سے زیادہ افراد اسی امت عیسائیہ کے ہیں، اور یہی سب سے بڑی امت کہلاتی ہے۔ بخلاف یہود کے کہ وہ بہت کم ہیں اور جو ہیں اُن کی موت بھی اُن کے سر پر موجود ہے۔

قرآن پاک میں دونوں قوموں اور امتوں کے فرق کو بالکلیہ الگ دیکھ سکتے ہیں کہ ایک مغضوب علیھم کے درجہ پر پہنچ گئی اور دوسری ضالین تک جاکر رُک گئی۔ اور سب سے بڑی ان کی صفت جس کو قرآن پاک بیان فرماتا ہے وَاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ (وہ تکبر نہیں کرتے) ہے ،اور یہ صفت صرف فنائے ذاتی سے پیدا ہو سکتی ہے۔ اور یہود کی سب سے بڑی صفت جس کو اللہ جل شانہ بیان فرماتے ہیں، استکبار ہے جو تمام صفاتِ رذیلہ کی جڑ ہے۔ کیونکہ قوم کے اندر استکبار آجانے کے بعد اصلاح اور صلاحیت کی استعداد بالکلیہ فنا ہو جاتی ہے۔

> بیشک صفاتِ کاملہ اور حسنہ صفاتِ رذیلہ اور ناقصہ کی تبدیلی کرتی ہیں لیکن ذاتی طور پر نہیں صفاتی طور پر ان میں لچک پیدا ہو جاتی ہے اور اپنا رنگ آجاتا ہے ، لیکن ذرا سی حرکت اور تھوڑی سی جنبش سے پھر وہی اصل رنگ اور حالت کا پتہ کھل جاتا ہے۔ لیکن ذات خود ذات ہے۔ اس لیے اس کی فنا کے بعد

Marfat.com

جب بقا حاصل ہو جاتی ہے تو خود ذات ہی تبدیل ہو جاتی ہے اور ہر مقابل آنے والی چیز پر اپنا کامل اثر دکھلاتی ہے، کیونکہ ذات کے اندر عشق و محبت ہے اور صفات کے اندر اغراض و مقاصد۔ بھلا اغراض و مقاصد کو محبت و عشق سے کیا واسطہ ؟ اس وقت تک کوئی ان کے پیچھے ہے، جب تک غرض ہے اور وہ مقصد ہے۔ غرض بدلی تو مقصد بدلا۔ مقصد میں تغیر آیا تو ساری روش پر تغیر آنا ضروری ہے۔!

حواشی

۱؎ حضرت سلطان الہند اجمیری رحمۃ اللہ علیہ

۲؎ اس کو نگاہیں پا نہیں سکتیں وہ نظروں کو پالیتا ہے۔

۳؎ اور وہ لطیف ہے اور خبر والا۔

۴؎ تمہارے پاس آئی ہیں رب کی طرف سے روشن دلیلیں۔

۵؎ اے بلال مجھے راحت پہنچا۔

۶؎ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

۷؎ ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

۸؎ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ

۹؎ توحید

۱۰؎ حالانکہ آپ زندہ تھے

۱۱؎ جہانبانی سلسلہ، تعلقات دنیاوی، جہانداری، قیام جہاں

۱۲؎ خوارق اور کرامات اتنے ظہور پذیر ہوئے جتنے غوث الاعظمؒ سے ظہور پذیر ہوئے اور وہ شہرت لمبی نہ پائی جو غوثِ اعظمؒ نے پائی۔ وہ خواص و عوام کے رہنما ہوئے اور یہ صرف خواص کے۔

۱۳؎ بے شک آپؐ مرسلین میں سے ہیں اور سیدھے راستے پر ہیں۔

۱۴؎ اللہ کے دین میں فوجوں کی فوجیں داخل ہوں گی۔

۱۵؎ حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔

۱۶؎ حضرت موسیٰ علیہ السلام۔

Marfat.com

وحدت الوجود

(ہمہ اوست)

نظریہ وحدۃ الوجود یعنی "ہمہ اوست" کو اہل طریقت و حقیقت صرف تسلیم ہی نہیں کرتے آئے بلکہ خود اس مشاہدہ میں عمریں گذار دیں۔ کسی زمانہ میں یہ نظریہ بطور عقیدہ اہلِ طریقت کے اندر گشت کرتا تھا۔ افسوس آج عام طور پر ذہنوں سے نکل چکا ہے۔ تاہم گاہ گاہ صاحبِ علم اس پر فکر کرتے نظر آتے ہیں۔ اس لیے یہ تبصرہ پیش کیا۔

بسم اللہ الرّحمٰن الرحیم

تلاش اور مشاہدہ

مجھ کو ہے تیری جستجو مجھ کو تیری تلاش ہے
جانِ جہاں کہاں ہے تُو مجھ کو تیری تلاش ہے

یوں تو وجدانی طور پر (۱) ہر ایک انسان کے دل میں ذات الٰہی کا تصور ہر آن اور ہر گھڑی چکر کھاتا رہتا ہے اور جب انسان کو اپنی انسانیت کا احساس پیدا ہوا، تو اُسی وقت تصورِ الٰہ فطرتِ انسانی میں آموجود ہوا، اور کوئی انسان اس وصف سے خالی نہیں۔ مثبتاً ساری دنیا اس روش پر ہے۔ اور خال خال لوگ بناوٹی طور پر عقل کے بے

Marfat.com

بنیاد تخیل سے اس فطری نظریہ کے انتفا (نفی) کا تصور بھی گھڑتے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ بھی اُس کے اثبات کی دلیل ہے۔ کیونکہ ہست کے بعد نیست کا آنا، ہستی پر دال ہے اور یہ تصور ہر اس انسان کے اندر موجود ہے، جسے انسانی شعور ہے۔

لیکن بعض صالح فطرت اور سلیم القلب انسان اس پاک تصور میں ایسے محو ہو جاتے ہیں، کہ مضطربانہ اس کی تلاش میں لگ جاتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ کون اُن کو پریشان کر رہا ہے اور اسی اضطراب اور پریشانی کے عالم میں مجنونانہ صحراؤں اور جنگلوں میں بھاگ جاتے ہیں، اور اس اضطراب و کرب کی تشنگی رات دن انہیں پریشان رکھتی ہے، اور ایک لمبی خلوت اُن کی اس فطرتی پیاس کی تسکین ہوتی ہے۔ اور دُنیا اور اہل دُنیا سے بالکل الگ ہو کر اپنے وجدانی تصور (چلہ کشی) میں رات دن مشغول رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس جذبہ سے معمور ہو کر سب کچھ بھول جاتے ہیں اور اس نسیان ماسوا کے اندر ہو تصور وجدانی اپنی ثورانی جلوہ آرائیاں شروع کر دیتا ہے، اور مشاہدۃً وہ کچھ سامنے آجاتا ہے جس کی تلاش میں انہیں ایک مدت بسر ہو گئی تھی ؎

جنہیں میں ڈھونڈتا تھا آسمانوں میں زمینوں میں
وہ نکلے میرے ظلمت خانۂ دل کے مکینوں میں

حتیٰ کہ اپنی نور کیفیت (۲) کے ساتھ اپنی شیریں کلامی سے بھی ہمکلامی شروع کر دی جاتی ہے۔ اور وہ تصور ایک مثالی صورت میں جلوہ آرا ہو جاتا ہے۔ اس تصورِ پاک کی مثالی صورت جب سامنے آجاتی ہے، اور اس کی ذات عین الیقین سے حق الیقین ہو جاتی ہے، تو عارف اس کی ذات کو تمام کائنات پر محیط پاتا ہے، اور کائنات کی ہر چیز میں اسے دیکھتا ہے اور ہر چیز اس کی شہادت دیتی ہے کہ اُس ذات کا ایک حصہ ہوں اور وہ میری جان ہے۔ ایسے وقت میں عارف مشاہداتی طور پر کائنات کو اُس کی ذات خیال کرتا ہے۔ بغیر ذاتِ حق سبحانہ کے اُسے نظر ہی نہیں آتا ؎

تجلّی تیری ذات کا سُو بسُو ہے
جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تُو ہی تُو ہے

اَیْنَمَا تُوَلّوُا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہ کا نمونہ ظاہر ہوتا ہے ؎

Marfat.com

چُوں تمام افتد سراپاناز مے گردد نیاز
قیس رالیلیٰ ہمی نامند درصحرائے من

اس وقت اس حالت میں عارف "ہمہ اوست" پر اپنا عقیدہ پختہ کرتا ہے۔ اور یہ درجہ ہر ولی اللہ کو نصیب نہیں۔ اہل طریقت میں اکثر لوگ اس درجہ پر پہنچ کر عقیدۂ "ہمہ اوست" کے قائل ہوئے ہیں۔ اور نظریۂ وحدۃ الوجود ان کا اذعانی اور ایمانی مسئلہ بن گیا ہے۔ اگرچہ عوام اس کے انکار پر عقلاً اپنے دلائل پیش کرتے ہیں۔ اور اس نظریہ کی تردید کئی صورتوں سے کرتے ہیں کہ کیسے ممکن ہے کہ خالق و مخلوق اور رازق و مرزوق اور عابد و معبود ایک ہو سکتے ہیں اور پھر عبادت کیسے واسطہ بن سکتی ہے، اور نیاز و ناز کیسے ایک ہو سکتے ہیں، اور کس طرح ممکن اور واجب کو اکٹھا کیا جائے، کہ جزو تو ممکن ہو اور کُل واجب ہو۔

ضرورت تھی کہ اس نظریہ کو واضح کیا جائے کیونکہ ہزاروں نہیں لاکھوں صاحبِ نظر اس نظریہ کے قائل ہو گزرے ہیں، اور ہزاروں کو قائل کر گئے۔ اگرچہ "گناہ کا ارتکاب" اور "اختیار انسانی کا فیصلہ" وغیرہ کے معمے ایسے تھے جو عوام کے افکار میں خلش پیدا کرتے آئے تھے۔ اس لیے چند حروف اس حقیقت کو واضح کرنے کے لیے پیش کیے جاتے ہیں۔

اُمید ہے کہ ارتکابِ گناہ کی ذمہّ داری اور جزا و سزا کا مسئلہ خود بخود اس کے اندر حل ہو جائے گا۔ اور غور سے پڑھنے کے بعد آپ اپنی رائے کو قرآنِ حکیم کے فیصلے پر قائم کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ !وَ مَا تَوْ فِیْقِیْ اِلّا بِاللّٰہ۔

حواشی

۱۔ وجدانی کیفیت اُس احساس کا نام ہے جو فطرتی ہے، اور عقل کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ مثلاً بھوک، پیاس اور محبت وغیرہ۔

۲۔ یہی وہ کیفیت ہے جس کو اصطلاحاتِ صوفیہ میں وحی یا الہام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

وحدتِ وجود یعنی ہمہ اوست کی حقیقت

جب یہ مسئلہ عام افکار کے سامنے آتا ہے تو عام لوگ خیال کرتے ہیں کہ خالق و مخلوق، عابد و معبود، رازق و مرزوق، ظاہر و باطن کیسے ایک ہو سکتے ہیں؟ وہی عابد وہی معبود، وہی خالق وہی مخلوق۔

لیکن جب ذرا نظر کو وسعت دی جائے تو اچنبھا نظر نہیں آتا اور نہ کوئی فکرِ محال پیش ہوتا ہے انسان کو دیکھ لیا جائے۔ روح اور جسم کے تمام تشکل کو انسان کہتے ہیں۔ صرف روح یا صرف جسم انسان نہیں۔ چہ جائیکہ اُنگلی، انگوٹھا، چشم، ابرو یا کسی جزء کو انسان کہا جائے۔ گو اُنگلی جزو انسان ہے اور جسم کا ایک حصہ، لیکن کوئی بھی اسے انسان تصور نہیں کرتا۔ انگلی یا آنکھ انسان کا جزو بھی ہے اور خدمت گار اور تابع بھی ہے۔ انسان چشم و گوش کا کُل بھی ہے اور مالک بھی ہے۔ بعینہٖ اسی طرح تمام صفاتِ الٰہیہ کے ظلال (یعنی تشخصات و تعینات) ایک گونہ "جزو کُل" وحدہٗ لاشریک قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ اور وہ لاشریک اُن کا خدائے قدوس ہے۔ اسی صورت میں اعضا اگر اپنے کُل کا حکم تسلیم کریں، تو وہ ایک بھی ہیں اور دو بھی۔ غیریت بھی ہے اور عینیت بھی۔

غیریت کے اعتبار سے عابد و معبود دونوں الگ۔ اور عینیت کے لحاظ سے دونوں ایک۔ لیکن اس حیثیتی تفاوت کی وجہ سے ذہن میں کوئی اختلال واقع نہیں ہوتا، کہ یہ کیسے عابد و معبود ہو سکتے ہیں اور یہ کیا عبادت ہے، جو اپنی آپ،

Marfat.com

یعنی اپنی ذات کی خود ذات پُوجا کرے۔ غیریت موجود ہے۔ ہاتھ پاؤں جب انسان کے حکم یا ارادہ پر حرکت کرتے ہیں، تو یہ حرکت کس کی ؟ ایک تو خود ذات کی، اور دُوسری اعضا کی۔ دونوں کا فرق برابر نظر آرہا ہے۔

اگر اعضاء اپنی ذات کی اطاعت سے الگ ہو جائیں، اور نافرمان ہو جائیں تو ذات کو کتنی تکلیف ہو گی۔ خواہ بامرِ مجبوری ہو (یعنی اعضاء کسی عارضہ کی وجہ سے شل ہو جاویں)

اور پھر اگر اعضاء ذات کے ارادے کے ساتھ برابر شریک ہوں اور متحرک۔ تو ذات اپنے اعضاء و جوارح سے کتنی مسرور ہو گئی۔ یہی سرور "رحمت" کہلاتا ہے۔ اور یہی (اِنَّ اللّٰہَ وَمَلَائِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ صلوۃ ہے جو اپنے خاص بندوں کے لئے ہے، اور جو اپنے بندوں سے خواص کو ممتاز کرتی ہے۔ کیونکہ ذاتِ اقدس کو سرور اپنے بندوں سے اسی صورت میں ہو سکتا ہے، جب وہ ذات کی رضا پر اطاعت اختیار کریں۔ اس کے بعد وحدتِ وجود کی اصل حقیقت یہی کچھ ہے کہ جیسے ایک انسان کی روح جسم کے ذرہ ذرہ میں نمودار ہے، اور خود رُوح کا پتہ نہیں چلتا۔ تو یہ مشاہدہ اور یہ عقلی تخیل خود بخود یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے، کہ انسان کی ذات جسم و جان سے تیار ہے اور دونوں یعنی جسم و روح الگ الگ نہیں بلکہ ایک حقیقت ایک ذات ہیں۔

بعینہٖ یہی مثال کائنات اور اس کے خالق پر منطبق خیال فرمائی جاوے، کہ جن لوگوں کے مشاہدہ میں دوئی پیدا نہیں ہُوئی، وہ ذاتِ حق اور تمام کائنات کو اسی طرح خیال کرتے ہیں، جس طرح ایک انسان کی رُوح اور جسم کو ایک خیال کرتے ہیں، اور تمام احکاماتِ وجودیت ایک قائم کرتے ہیں۔ یہی لوگ وحدتِ الوجودی کہلاتے ہیں۔ رہے وحدتِ شہود والے! وہ وحدت کو کثرت سے الگ جانتے ہیں اور کثرت کو وحدت کا مغائر (غیر) جانتے ہیں۔ لیکن سر رشتہ جوڑنے

Marfat.com

کے لئے اور وحدتِ وجود کے نظریہ سے بچنے کے لئے اس کی تاویل وحدتِ شہود سے کر دیتے ہیں۔ اصل نظریہ وحدتِ وجود کا ہے۔ اور نظریۂ وحدتِ شہود اس کا ردِّ عمل خیال کیا جائے۔ اور کتاب و سنت کو تطبیق دینے کے لئے وحدتِ شہود کا نظریہ قائم کیا جاتا ہے۔

وحدتِ وجود کا نظریہ ایسا نہیں کہ ہر کہ ومہ کے ذہن میں سما سکے، لیکن اس کے بر عکس نظریۂ وحدتِ شہود متعارفۂ اذہان ہو سکتا ہے۔ اور بلا چون و چرا تسلیم کرنے کے قابل۔ گو کہ سطحی نظر والے اسے بھی تسلیم نہیں کرتے بلکہ عین کو بالکلیہ غیر خیال کرتے ہیں۔ لیکن سالکینِ راہِ ہدایت قرونِ اُولیٰ کے بعد ان نظریات کے قائل ہوتے چلے آئے۔

اپنا خیال تو یہ ہے کہ یہاں کہنے سننے کی گنجائش نہیں۔ جس پر جو حال آیا، وہ بے اختیار ہے جو کچھ کہے، کہے، تمام صحیح۔ لیکن جس پر حال نہیں وہ ایک بناوٹی مسلک کے لئے جو کچھ زبان سے نکالتا ہے، وہ صحیح نہیں۔ کیونکہ اس کی تہہ میں کوئی حقیقت نمایاں نہیں ہوتی، اور جو کچھ زبان پر ہوتا ہے یا تو اپنے مسلک کی وجہ سے تقلیداً ہوتا ہے، یا ایک عقلی ڈھکوسلا ہوتا ہے، جس پر مشاہدہ اور یقین کے انوار نہیں ہوتے۔

ہاں موجودہ دورِ تصوف میں کچھ بھی نہیں۔ نہ یہ نہ وہ۔ اگر کوئی رسماً قائل ہے اور وہ اس عقیدہ کی ترجمانی کرے تو غنیمت ہے کیونکہ نقشِ پا تو نظر آتے ہیں۔ لیکن ان بے جان آثار سے معدومیت اچھی اور بے نشانی بھلی۔

اب وحدتِ وجود کی مثالی توضیح کر کے مسئلہ کو زیادہ واضح کیا جاتا ہے۔

ایک مُرغ کو دیکھئے ایک جان اور ایک جسم ہے۔ اور پھر جسم کے کئی اعضاء اور کئی جوارح ہیں۔ اور جسم کے اعضاء اور جوارح کا الگ الگ کام اور الگ الگ تعین ہے۔ اور ہر تعین کی صورت الگ۔ آنکھ تمام جسم سے الگ ہے، اور یہ اگرچہ گوشت کا

Marfat.com

لو تھڑا اور دوسرے اعضاء کے برابر ہے، لیکن بینائی جیسی قوت اور صفات اور روشنی کسی دوسرے حصہ گوشت کو نصیب نہیں۔ یہ آنکھ اپنے تمام دوسرے اعضاء سے بالکل جدا بلحاظِ صورت، بحیثیت معنی بالکل الگ ہے۔ اور دُوسرے اعضاء کے برخلاف اس کا کام بھی الگ۔ ایسے ہی چونچ، کان، ٹانگیں، دُم اور پر۔

غرض ایک ایک جوڑ صورت و سیرت میں اپنے مماثل اعضاء سے الگ اور اپنی ذاتی حیثیت سے الگ الگ ہے۔ اب کوئی حصہ بھی لیا جائے، تو یہ مُرغ نہیں۔ نہ ظاہراً نہ باطناً۔ اگرچہ کُل بنانے میں یہ جزو ہی سب کچھ ہے۔ جو کچھ وہ ذات خود ہے۔ لیکن اپنی کارکردگی اور اپنا تعین وجودی و معنوی الگ ہے۔ اب آنکھ کا دیکھنا، کان کا سننا، پاؤں کا چلنا، پروں سے اُڑنا اگرچہ اصل ذات کے ساتھ وابستہ ہے، لیکن ایک گونہ اصل سے جدا بھی ہے۔ ایسے ہی جگر و دل اور معدہ و امعاء یہ سب کچھ مرغ کے اندر ہیں، لیکن ذاتِ مرغ نہیں، اور باہر بھی نہیں۔ یہی حال ذاتِ حقہ کا ہے۔ ہم ایک گونہ اس کی ذات میں داخل ہیں اور ایک گونہ الگ۔

اعضاء کے تحرک کا منشاء تو ذات ہے۔ مگر اس منشاء ذات کے ساتھ منشاء عضو ایک الگ حیثیت بھی رکھتا ہے۔ دل چاہتا ہے کہ آنکھ کھلے، لیکن کھل نہیں سکتی۔ کیوں؟ کسی عارضہ کی وجہ سے! دل چاہتا ہے۔ کہ قوم اُٹھاؤں لیکن اُٹھ نہیں سکتا۔

لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ کُلی طور پر منشائے ذات غالب رہتا ہے۔ اسی وجہ سے قرآن حکیم فرماتا ہے وَمَاتَشَاءُ وَنَ اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ اللّٰہ۔

اب دیکھئے۔ وَمَاتَشَاءُ وَنَ پہلے ہے اور اس کے بعد اِلَّا اَنْ یَشَاءَ اللّٰہ۔ فرمایا منشائے انسانی پہلے لایا گیا اور اس کے بعد منشائے ذات کو اس کے ساتھ وابستہ کیا گیا۔ اندر اندر گو ذاتِ کبریائی کی کارفرمائی ہے لیکن ظاہراً جو کچھ منشائے ذاتِ انسانی ظہور پذیر ہو رہا ہے وہ ایک حقیقت ہے اور اسی پر احکام وارد ہونا تقاضائے عقل و نقل ہے۔

Marfat.com

وحدتِ وجود و وحدتِ شہود کے مغالطہ کی حقیقت

اشیائے کائنات کو دیکھا جائے تو ہر چیز کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے۔ ظاہر کو جسم کہا جاتا ہے، باطن کو رُوح۔ جسم کو تو ہم دیکھتے ہیں، لیکن روح ہماری نظر سے غائب ہے۔ مگر روح کے آثار اور نشانات ہم دیکھتے ہیں۔ جب روح نہیں رہتی تو جسم مردہ اور خشک ہو جاتا ہے اور بعد میں کلی فنا ہو جاتا ہے۔ اور ہر ذی عقل یقین رکھتا ہے کہ جسم و رُوح دو الگ چیزیں ہیں، جو مل کر کسی ہستی کو برقرار رکھتی ہیں۔

روح آج تک کسی نے نہیں دیکھی۔ لیکن صاحبِ فراست اسے الگ بھی تصوّر کر سکتے ہیں۔ مگر ایک عام عقل کا آدمی رُوح کو کسی صورت میں جسم سے الگ تصور نہیں کر سکتا۔ ایک زمانہ تھا جب جانوروں کے سوا کسی دُوسری کائناتی چیز میں رُوح خیال نہ کی جاتی تھی۔ مثلاً درخت، پتھر، مٹی وغیرہ لیکن جب عقل ذرا تیز ہوئی تو نباتات کی رُوح کی بھی قائل ہو گئی۔ اس کے بعد اب ہر ذی جسم کی روح تمام دُنیا کا عقیدہ ہو چلا ہے۔ حتی کہ پتھر، مٹی میں روح کے آثار و نشانات پر کتابیں لکھی جا رہی ہیں۔ اور اب تک اتنی ترقی ہو گئی ہے کہ اشیاء جفتی سے بڑھتی ہیں ہنستی، کھیلتی شاخیں نظر آتی ہیں۔ نر کھجور اور مادہ کی جفتی ساری دُنیا کے سامنے تھی۔ بخلاف بعض دیگر درختوں کے۔ لیکن حقیقت یہی ہے کہ تمام کائنات میں اپنی اپنی جفتی چلتی ہے۔ حتیٰ کہ زمین و آسمان اپنی روح رکھتے ہیں۔ اور ان کو اپنا ایک خاص شعور بھی ہے۔ جیسے جانوروں کا خاص شعور آپ دیکھتے ہیں۔

قرآنِ حکیم نے تیرہ سو سال پہلے یہ فیصلہ دے دیا تھا

"ہر چیز ذی روح ہے"

۱۔ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ

Marfat.com

ترجمہ :۔ہر ایک چیز اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتی ہے

۲۔ وَلِلّٰہِ یَسْجُدُ مَنْ فِیْ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْض

ترجمہ :۔ زمین و آسمان کی تمام مخلوق اللہ کا سجدہ کرتی ہے۔

۳۔ وَسَخَّرَ لَکُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ

ترجمہ :۔اور (اللہ تعالیٰ نے) سُورج اور چاند کو تمہارے لئے مسخر فرمادیا۔

٤۔ یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِیْ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْض

ترجمہ :۔زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے۔

٥۔ وَلٰکِنْ لَا تَفْقَھُوْنَ تَسْبِیْحَھُمْ

ترجمہ :۔لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔

٦۔ فَاَبَیْنَ اَنْ یَحْمِلْنَھَا وَاَشْفَقْنَ مِنْھَا وَ حَمَلَھَا الْاِنْسَانُ

ترجمہ :۔(آسمانوں نے اور زمین نے اور پہاڑوں نے) اللہ کی امانت اٹھانے سے انکار کر دیا۔ اور انسان نے اسے اٹھالیا۔

بہر صورت رُوح عوام کی نظر سے اوجھل ہے۔ عقلمند اس کی ذات کا الگ تصور کر سکتے ہیں۔ اور عام شعور کے آدمی روح کا تصور الگ نہیں کر سکتے۔ بلکہ جسم و جان کو ایک چیز خیال کرتے ہیں۔

Marfat.com

خیر و شر کا مغالطہ

جسم کے تمام حصوں میں ایک خون جاری و ساری ہے۔ لیکن کسی عضو میں پہنچ کر خراب ہو جاتا ہے، اور وہ عضو متورم ہو جاتا ہے۔ اب غور کیا جائے کہ خون کی خرابی زیادہ، یا اُس حصۂ جسم کی خرابی زیادہ، جس میں آکر وہ زیادہ بدبودار ہو کر نکلتا ہے، اور تکلیف کا باعث ہوتا ہے۔

گو خون کی خرابی بھی عضو میں آسکتی ہے۔ لیکن زیادہ خرابی کا مرکز تو وہی عضو متورم ہے۔ اب علاج یا چیر پھاڑ کس جگہ کی ہو گی؟ اسی حصہ کا علاج اور اسی حصہ کو چیرا دیا جائے گا جہاں درد ہے اور جہاں پھوڑا پھوٹ نکلا ہے۔ یہی حال بعینہٖ ذاتِ مقدس اور انسانی رُوح کا ہے اور انسانی رُوح کا بگاڑ جب ہو جاتا ہے تو اصل ذات جو سراسر منبع خیر ہے۔ جیسے خون، لیکن سراسر خیر، اس ذات میں آکر شر بن گئی۔ اس لئے اس ذاتِ انسانی کا علاج بھی ذاتِ اقدس کرنا چاہتی ہے تاکہ اس کا سر چشمہ گدلانہ ہونے پائے۔

اب ذرا آیت " وَمَاتَشَاءُ وْنَ اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ اللّٰہُ " کا اگلا حصہ ملاحظہ فرمائیے۔ فرماتے ہیں اِنَّاللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا یعنی اللہ تعالیٰ صاحب علم و حکمت ہے۔ یہ علت قرار دی جارہی ہے کہ منشاء ذاتِ انسانی کو منشاء ذاتِ حق کے ساتھ کیوں وابستگی ہے؟ کیوں کہ یہ بصیر نہیں، علیم نہیں، اپنے منشائے ذاتِ کی حقیقت سے بے خبر ہے، اس لئے علیم و بصیر کی نگہبانی ضروری ہے۔

Marfat.com

پھر فرماتے ہیں یُدْخِلُ مَنْ یَّشَاءُ فِیْ رَحْمَتِہٖ منشاء ذات حق ہے جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں لے لیتا ہے اور صالح ہو کر چلتا ہے۔ اور جو سرکش ہو کر منشائے ذات سے اپنی ذاتی سرکشی پر اتر آتا ہے۔ اس کے علاج کے لئے دردناک عذاب ہے۔

برائے علاج معالجہ قدرتی اصلاح فرمائی جائے گی۔ بہر صورت ایک عقلی بات بھی ہو جاتی ہے کہ جو لوگ ہمہ اوست کی آڑ میں گناہ کو اپنا گناہ خیال نہیں کرتے ہیں بلکہ ذات کو ملزم ٹھہراتے ہیں، وہ اتنا خیال نہیں کرتے کہ جو کچھ وہ دنیا میں کرتے ہیں وہ اپنی منشاء کے مطابق کر کے خوش و خرم ہوتے ہیں اور لذت اٹھاتے ہیں۔ ضرورت اور خواہش میں اپنی پوری طاقت صرف کرتے ہیں، اپنی خوشی کے پیدا کرنے اور اپنے غم سے بچنے کے لئے ہزاروں نہیں لاکھوں ایک دُوسرے سے لڑتے ہیں اور خود یہ سمجھتے ہیں کہ ہم خود یہ کر رہے ہیں۔ لیکن جب دوسرا پہلو سامنے آتا ہے تو جھٹ پہلو بدل لیتے ہیں اور تمام امور کا متصرف خود خدا کو گردانتے ہیں اور حقیقتِ نفسی کے اعتبار سے بالکل عام انسانوں کی طرح اپنے مایحتاج پر لڑتے ہیں۔

جن بزرگوں پر ہمہ اوست کا حال تھا، وہ ایک نہیں سینکڑوں ہیں۔ لیکن آج تک نہ تو کسی نے اپنے پوجنے کی دعوت دی اور نہ ہی کسی نے ارتکاب گناہ سے بچنے کے لئے اللہ میاں کی آڑ لی۔ وہ ہمیشہ عابد اور خائف رہے۔ منصور کو دیکھئے انا الحق تو کہا، لیکن اپنی پرستش کی دعوت نہ دی نہ ہی دار و رسن کا ذاتِ حق کو مجرم ٹھہرایا۔ بلکہ اپنی محبت و عشق کو مجرم ٹھہرایا۔ اور خوشی خوشی سولی چڑھ گئے۔

بعض مصنفین موجودہ وقت بھی "ہمہ اوست" کے حال کو اپنے میں ظاہر کرتے ہیں۔ وہ طریقت کی تلقین اس طرح فرماتے ہیں کہ جو کچھ بھی ہے حق ہی حق ہے پھر ساتھ ہی خود مرشد بنتے ہیں اور دوسرے کو مُرید خیال کرتے ہیں، اور روزی

Marfat.com

کے لئے ہاتھ پاؤں مارتے ہیں، جو ایک حریص دُنیادار بھی نہیں مارتا۔ پھر یہ بھی سمجھتے ہیں، کہ ہم سب کچھ ہیں۔ اللہ اکبر! یہ بھی تو تصوف و فقر پر ایک وقت آنا تھا۔ یہ تصوف اپنے لئے وہ کچھ روا رکھتا ہے جو صرف ناجائز ہی نہیں بلکہ ایک شریف انسان کے لئے حرام ہے۔

آج کی دنیا سانس کے چلنے کو روح سمجھتی ہے۔ کہ جب یہ سانس بند ہو ا رُوح ختم ہو گئی۔ اصل حقیقت یہ ہے، کہ سانس روح و جسم کا پیوند ہے۔ جب تک سانس ہے روح بدن میں رہے گی۔ جب سانس بند ہو گا روح بدن سے الگ ہو جائے گی۔

یہ سوال کہ پھر روح کہاں جاتی ہے۔ یہ بات عقول سے بلند ہے۔ لیکن خدائے قدوس کے انوار شناس جنہیں پیغمبر کہا جاتا ہے، وہ بذریعہ وحی فرماتے ہیں کہ علیین اور سجین یعنی اچھے اور برے مقام پر رہا کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ پھر بالیدگی حشر کو ہو گی اور پھر جسمی اور روحی پیوند از سرِ نو قائم ہو گا۔

لیکن بات جو ذہن میں آچکی ہے وہ یہ ہے کہ روح صرف ہوا نہیں۔ بلکہ ایک نوری جسم (مادہ) رقیق شفاف ہے۔ جو بعینہٖ اپنی جسمانی صورت کے مطابق ہوتی ہے۔ اور جب کبھی کوئی مردہ آدمی کی روح خواب میں آتی ہے، جو سالوں پہلے گزر گیا ہو تو وہ اپنی کامل صورت میں نمودار ہو کر خواب دیکھنے والے کا پورا یقین پیدا کر دیتی ہے۔ اور ساتھ ہی جیسے جسم کی صورت ہے، ہر اعضاء کی اپنی جگہ صورت بعینہٖ وہی صورت رُوح کی اس مقام پر ہے۔ اور جو فعل وہ عضو کرتا ہے وہ اس کی ممد ہوا کرتی ہے۔

اب یہ خیال، کہ روح پہلے تھی، جسم بعد میں اس پر آیا، بطور لباس کے۔ یا جسم پہلے آیا، رُوح بعد میں اُس کے اندر پیدا ہوئی؟ اہل مذاہب کا تو متفقہ فیصلہ ہے، کہ روح پہلے تھی جس پر لباس مادی بعد میں پیدا ہوا۔ لیکن موجودہ وقت مشککین کہتے

Marfat.com

ہیں۔ جسم نے پہلے مادہ روح پیدا کی، پھر حیرت ہوتی ہے، کہ بے جان سے جان دار کیسے پیدا ہو، بے شعور سے شعور کیسے نکلے، انڈے سے بچہ پیدا ہوتا ہے لیکن کیا معلوم کہ انڈے کے اندر رُوح نہیں، جو بعد میں بالیدگی آنے پر بچہ کی شکل میں نمودار ہو، تو گویا اُس نے رحمتِ الٰہی میں داخلے کی سند حاصل کر لی، رہا ظالموں کا معاملہ تو انہوں نے ابتدا سے لے کر انتہا تک ہر مرحلے میں اس کے قانون آسمانی اور کلیاتِ ہدایت کی مخالفت کی، اور خدا کے ارادۂ رحمت اور قانونِ ہدایت سے تجاوز کی، اب ان کے لئے رحم و کرم کا سوال نہیں عدل و انصاف کا فیصلہ ہے کہ ان کو سزا دی جائے اور دردناک عذاب میں مبتلا رہیں۔

Marfat.com

فنا وبقا کا معیارِ حقیقی

ہر جاندار اور غیر جاندار کی ایک نوعی صورت ہوتی ہے، اور ایک شخصی اور ذاتی جس کے ذریعہ اپنی تشخیص اور شناخت میں اپنے نوعی افراد سے الگ ہوتا ہے، اور اپنے غیر سے اپنی صورت شخصی میں ممیّز ہوتا ہے۔ نوعیت تمام افراد میں ایک ہوتی ہے۔ اور تشخص کا روپ ہر ایک کا الگ۔ اگر یہ شخصی صورت یا تعین کسی صورت سے اٹھا دیا جائے، تو نوع مطلق کے افراد میں تمیز نہیں رہے گی، اور من حیث النوع مطلق رہ جائے گی، جس کی شناخت صورت نہ ہو گی، لیکن شخصیات سے بالا ہونے پر تشخصات اور تعینات سے نکل کر ایک وحدتِ قائمہ میں ہو کر وہ نوع ہو جائے گی، نوعی صورت میں اور نوعی کیفیات میں نوعی روح اپنی انتہائی صورت میں پہنچ جائے گی۔

بعینہٖ یہی صورت انسانی تشخصات اور صور کی ہے۔ جس سے تشخصات اور تعیناتِ انسانی اٹھ جاتے ہیں۔ تو انسان کی ایک نوعی صورت و سیرت جگمگانے لگتی ہے۔ اور ہر طرح کے تشخص سے جب پاک ہو جاتی ہے، تو اس نوعی صورت کی وحدت کو وحدتِ مطلقہ کے ساتھ کامل تشابہ ہو جاتا ہے، اور اس تشابہ کی وجہ سے وحدتِ مطلقہ کے عکوس وحدتِ نوعی پر اتنے زور دار وارد ہوتے ہیں کہ بسا اوقات وحدتِ نوعی وحدتِ مطلقہ کے تمام لوازمات سے سرفراز ہو کر نکلتی ہے، اور وحدتِ مطلقہ کے آثار نمودار ہونے لگتے ہیں۔

Marfat.com

لیکن یہ کس وقت ؟ جب تشخصی انانیت وحدتِ مطلق کے دریائے مطلق میں گُم ہو جائے۔ اور اس کے بعد وحدتِ نوعی اس وحدتِ مطلقہ میں کلی طور پر غرق اور گم ہو جائے۔ لیکن جیسے تشخصات کا اٹھنا محال ہے اسی طرح انانیتِ شخصی کا ختم ہونا محال ہے۔ گو انانیت کے لوازمات اور صورت و سیرت اور انانیت کے نقوش بہت ہی مدھم ہو جاویں گے، لیکن کلی ختم ہونا محال ہے۔ اسی طرح ناممکن ہے کہ کوئی انانیت کلی طور پر انانیت کبری میں محو ہو جائے، اور اس کا کوئی وجود قائم نہ رہے، اور نہ اس کی صورت و سیرت کا پتہ چل سکے۔ خواہ فنا کتنی ہی غالب ہو۔ اور بقا بھی کتنی ہی بلند نصیب ہو۔

ارادۂ شخصی کی فنا کے بعد انانیتِ شخصی کے لوازم شروع ہو جاتے ہیں۔ لیکن جب تک تعین و تشخص ہے بھلا کیونکر ممکن ہو کہ کلی طور پر ارادہ ختم ہو جائے۔ اس لئے رسالت ہو یا ولایت بلند سے بلند مقام پر بھی اپنی کامل فنائیت کے باوجود انانیتِ مطلقہ اور انانیتِ محدودہ الگ ایک قالب دو جان کی صورت برابر نمودار ہو کر خلق اللہ کی ہدایت کا باعث ہوتی ہیں، اور ہر فعل و حرکت میں دونوں الگ الگ دکھائی دیتی ہیں۔ اسی قالب میں انانیتِ مطلقہ اور انانیتِ محدودہ اپنی تعلیم و تلقین اور آداب و رموز معرفت ایک دُوسرے کے سامنے ہو کر پڑھتی پڑھاتی نظر آتی ہیں، اور کوئی دھوکہ نہیں لگتا کہ اُستاد کون ہے اور شاگرد کون ہے۔ خدا کی ذات کون سی ہے اور نبی کریم ﷺ کی ذات مُبارک کون ہے۔ جان و دل اور قلب و قالب ایک۔ لیکن اس ایک میں دو کا بسیرا ہے۔ اور تیرے میرے کی گنجائش نہیں۔!!

Marfat.com



Marfat.com



Marfat.com